الاختلاف بین ائمۃ الاحناف

تالیف
خطیب اسلام حضرت العلام مولانا قاری عصمت اللہ ثاقب ملتانی

نظر ثانی
ابو الحسن مبشر احمد ربانی

ناشر
مکتبہ ثنائیہ / النور اکیڈمی
بلاک نمبر 19 سرگودھا، موبائل: 0300-6040271

نام کتاب: الاختلاف بین ائمۃ الاحناف

مؤلف: حضرت العلام مولانا قاری عصمت اللہ خان ثاقب ملتانی

تصدیر: مفتی اللہ بخش ملتانی

ناشر: محمد اقبال

النور اکیڈمی/مکتبہ ثنائیہ بلاک ۱۹ سرگودھا

مطبع: المطبعۃ العربیہ پرانی انارکلی لاہور

تعداد: ۱۱۰۰

قیمت: 150 روپے

❀❀❀

ملنے کے پتے

① مکتبہ دارالسلام .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

② مکتبہ قدوسیہ .... غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

③ مکتبہ اصحاب الحدیث .... مچھلی منڈی اردو بازار لاہور

④ فاران اکیڈمی .... اردو بازار لاہور

⑤ نعمانی کتب خانہ .... اردو بازار لاہور

⑥ خورشیدیہ کتب خانہ .... اردو بازار لاہور

⑦ مکتبہ سلفیہ .... شیش محل روڈ لاہور

⑧ اسلامی اکیڈمی .... اردو بازار لاہور

فہرست

❀❀❀❀❀

تصدیر

جامع المعقول والمنقول محترم مفتی اللہ بخش صاحب ملتانی شیخ الحدیث مرکز ابن قاسم ملتان

بندہ نے قاری عصمت اللہ ثاقب کی کتاب ''الاختلاف بین ائمۃ الاحناف'' بنظر عمیق دیکھی ہے۔ کتاب قابل دید ہے احنا جو الزام حدیث پر عمل کی وجہ سے لگاتے ہیں وہی تقلید پر عمل کی وجہ سے لگتے ہیں تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کتاب کو تعصب سے بالاتر ہو کر پڑھیں اور حقائق کا ساتھ دیں۔

غیر متعصب حنفی اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اہل حدیث بننے پر مجبور ہو جائے گا (ان شاء اللہ) قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے فقہ حنفی پر عمل کرنا سخت ترین ظلم ہے اور راہ ہدایت سے انحراف ہے۔ اللہ تعالیٰ سب احناف کو ہدایت دے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کے قرآنی حکم کے ہوتے ہوئے کیا فقہ حنفی پر عمل کرنا قرآن وسنت سے انحراف نہیں ہوگا؟ یقینی ہوگا۔

اسی لیے ائمہ احناف نے فقہ حنفی پر عمل کو لازم قرار نہیں دیا بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے بھی قرآن وسنت پر عمل کو لازم قرار دیا ہے اور محققین علماء احناف نے بھی فقہ حنفی کے اکثر مسائل کو قرآن وحدیث کے مخالف گردانا ہے۔

فاضل مصنف نے نہایت عمدہ اور سنجیدہ لب ولہجہ میں حنفی ائمہ کے اختلاف کو اجاگر کر کے اہل انصاف کو دعوت فکر دی ہے کہ اس قسم کے اختلافی مسائل کو ترک کر کے راہ راست قرآن وسنت پر عمل کرنا کہیں زیادہ سہل اور لائق ہے۔

کتاب ہذا نہ صرف ظاہری خدوخال کے لحاظ سے ہی قابل دید ہے بلکہ ان الزامات کی یہ دستاویز بریت بھی ہے جو گاہے بگاہے احناف کی طرف سے حاملین حدیث پر لگائے جاتے ہیں اللہ رب العالمین مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مفتی اللہ بخش

مرکز ابن قاسم ملتان

اظہارِ تشکر

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ اما بعد
والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

رب کریم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس نے اخوین مکرمین مولانا علامہ قاری عصمت اللہ خان اور مولانا سیف اللہ خان صاحب حفظہما کو تقلید شخصی کے بندھن سے آزاد فرما کر قرآن وسنت کی صاف وشفاف راہ پر گامزن فرما دیا۔

انہیں قرآن وسنت کا عاملین وداعیان ہونے کا شرف بخشا

﴿واللہ یھدی من یشا الی صراط مستقیم﴾

فاضل مصنف نے نہایت عرق ریزی، فکری اور وسعت علمی سے اسے مدون کیا ہے جو بلاشبہ متلاشیان حق کے لیے راہ مستقیم کا کام دے گی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مصنف اور معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام سید محمد سبطین شاہ نقوی
مہتمم وخطیب جامع امام البخاری وجامع محمدیہ
مقام حیات سرگودھا

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی النبی المصطفی اما بعد

برادرم مولانا عصمت اللہ خان صاحب کی تحریر کردہ کتاب ''الاختلاف بین ائمۃ الاحناف'' ایک بہترین کاوش ہے۔ جو مولانا موصوف کی محنت شاقہ کا نتیجہ اور آپ کے علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عوام الناس کے لیے اس کا یہ فائدہ کچھ کم نہیں کہ ایک معتدل فراح اور غیر متعصب شخص کو تقلید شخصی کی تاریک دلدل سے نکال کر اتباع سنت کی روشن شاہراہ پر گامزن کرنے کے لیے کافی ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے ''صاحب البیت ادری بما فیہ'' گھر کا مالک بہتر جانتا ہے کہ اس کے گھر میں کیا کچھ ہے۔ چونکہ مولانا خود بھی پہلے اسی گھر کے باسی تھے یعنی حنفی تھے لہٰذا آپ نے ائمہ احناف کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو خوب واضح کیا ہے اس سے آپ کا مقصود کسی پر اعتراض نہیں بلکہ الدین النصیحہ کے تحت خیر خواہی اور اصلاح کا جذبہ کارفرما ہے کہ ہر شخص تقلید کو چھوڑ کر صحیح معنوں میں متبع سنت بن جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

محمد نعیم رضوان
ایم اے وفاق المدارس
مدرس جامعہ امام بخاری اہلحدیث مقام حیات سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد من یرد اللہ خیرا یفقہ فی الدین

قاری عصمت اللہ خان صاحب ملتانی محتاج تعارف نہیں ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عنایت فرمائی تو آپ تقلید شخصی چھوڑ کر حامل کتاب سنت بنے۔ ذالک فضل اللہ یوتی من یشا

آپ نے تقلید شخصی کی تردید اور اتباع سنت کی حمایت میں کتاب ہذا مدون کی جس کا نام "اختلاف بین الائمۃ الاحناف" تحریر کیا گیا۔

مصنف موصوف کا عامل بالحدیث ہونا اور مذکورہ کتاب کی تصنیف کی مثال اس طرح ہے جیسے بخاری میں سب عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ ہے۔ جس میں یہودیوں کا تورات میں رجم کے بارے میں آیت رجم پر ہاتھ رکھ لینا اور عبداللہ بن سلام کا ان کے اس مکر کو آشکار کرنا ذکر ہے۔ آپؐ نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دے دیا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ کتاب الحدود)

اس واقعہ میں جس طرح عبداللہ بن سلام نے یہودیوں کے ہاتھ کو اٹھوا کر آیت رجم کو واضح کیا اسی طرح قاری عصمت اللہ صاحب نے بھی مذکورہ کتاب لکھ کر فقہ حنفی میں کتاب وسنت کے جن مسائل کو چھپایا گیا تھا ان کو واضح کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مصنف کی اس کاوش ومحنت کو قبول فرمائے (آمین)

جو آدمی اس کتاب کو صدق دل اور تعصب سے بالاتر ہو کر پڑھے گا وہ تقلید شخصی چھوڑ کر یقیناً حامل کتاب وسنت بنے گا۔

عبدالخالق بھٹی

ایم اے وفاق المدارس

خطیب وامام بلال مسجد اہلحدیث

آباد کالونی سرگودھا

عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

یہ امر باعث فرحت وتسکین قلب ہے کہ گرامی قدر حضرت الکلام مولانا قاری عصمت اللہ خان صاحب ﷾ کی کتاب ہذا اگرچہ علمی میدان میں اولین تحریری کاوش ہے۔مگر کتاب عنوان کی مناسبت سے دلائل و براہین کا ایسا دلپذیر دلکش مرقع ہے کہ اگر ایک انسان تعصب سے بالاتر ہوا سے زیر مطالعہ لائے تو یقیناً تقلید شخصی چھوڑ کر قرآن وسنت کا متبع ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔انشاءاللہ

دعائے ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور متلاشیان حق کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا کر آیت کریمہ ﴿ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی﴾ کے مصداق اپنی سدا بہار جنتوں کا مستحق بنا دے۔آمین ثم آمین

العبد آثم ابوعبید محمد اقبال ایم اے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

تقلید ایسی بدبخت مؤنث ہے جو ہر وقت شر کو جنم دیتی رہتی ہے شرک و کفر' بدعت وضلالت' انکار حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ محدثین کی گستاخیاں اسی کی پیداوار ہیں۔ تقلید کے قلع قمع کے لیے اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سیدنا ومحبوبنا ومحبوب المومنین المحدث الفقیہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَا تُقَلِّدُوا دِينَكُمُ الرِّجَالِ))

''یعنی تم دین میں لوگوں کی تقلید مت کرو۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۰ اسنادہ حسن)

سیدنا ومحبوبنا ومحبوب المومنین المحدث الفقیہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَأَمَّا الْعَالِمُ فَإِنِ اهْتَدَى فَلَا تُقَلِّدُوا دِينَكُمْ))

''یعنی عالم اگر ہدایت یافتہ ہو پھر بھی اس کی تقلید نہ کرو۔''

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر' کتاب الزہد لامام ابی داود۔ کتاب الزہد لامام وکیع)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''العلل'' میں اور امام ابونعیم اصبہانی نے حلیۃ الاولیاء میں اس کو صحیح کہا ہے جیسے مرزا قادیانی نے وفات عیسیٰ کا عقیدہ قرآن سے لیا' تیس آیات معنوی تحریف کر کے پیش کیں' لیکن صحابہ کرام میں سے کسی صحابی سے دلیل نہ دے سکا' ثابت ہوا وفات عیسیٰ کا عقیدہ سبیل مومنین نہیں ہے ایسے ہی مقلدین تقلید کے وجوب پر قرآنی آیات کی معنوی تحریف کر کے ثبوت پیش کرتے ہیں لیکن کسی صحابی سے تقلید کا جواز یا ثبوت پیش نہیں کر سکتے یعنی کسی صحابی نے یہ کہا ہو کہ قلدوا یعنی تم تقلید کرو۔ ثابت ہوا کہ تقلید سبیل مومن نہیں ہے۔

لہٰذا تقلید پرستوں کو اہل سنت والجماعت کہلوانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حافظ سیوطی (۸۴۹۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں

((والذی یجب ان یقال کل من انتسب الی امام غیر رسول الله ﷺ یوالی علی ذلك ویعادی علیه فهو مبتدا خارج عن السن والجماعة سواء کان فی الاصول او الفروع))

"یعنی یہ بات کہنا واجب ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے (یعنی اپنے آپ کو حنفی وغیرہ کہتا ہے) اسی کو دوستی اور دشمنی کا معیار بناتا ہے وہ بدعتی ہے اہل سنت والجماعت سے خارج ہے خواہ یہ نسبت اصول میں ہو یا فروع میں ہو۔"

(الکنز المدفون از حافظ سیوطی ۱۹)

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع کیا ہے۔ اس کے برعکس مقلدین نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے۔ وہ ناقابل بیان ہے۔ جیسا کہ جناب خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی تقلیدی (المتوفی ۱۲۶۹۔ ۱۳۴۸) صاحب لکھتے ہیں ہمارے مشائخ اور ہماری ساری (دیوبندی) جماعت بحمد للہ فروعات میں مقلد ہیں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اور اصول و اعتقادات میں پیرو ہیں۔ امام الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی رضی اللہ عنہما کے۔ (المهند علی المفند از خلیل احمد: ۲۹)

ذرا انصاف کریں! یہ لوگ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ اصول چھوڑنے کے باوجود حنفی ہیں اب سوال یہ ہے کہ تقلید پرستوں نے امام صاحب کے اصول وعقائد چھوڑ کر دوسرے دو انسانوں کا عقیدہ کیوں اختیار کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام صاحب کا عقیدہ واصول صحیح ہی نہ ہوگا۔ ورنہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ جس کا اصول وعقیدہ صحیح نہ ہو اس کے فروع کا اعتبار ہے؟ فروع کا جو خون کرتے ہیں وہ بھی کسی پر مخفی نہیں ہے اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔

واضح رہے کہ باسند صحیح امام صاحب سے تقلید کا جواز یا وجب ثابت نہیں ہے یہ لوگ آپ کی تقلید کو واجب کہنے پر مصر ہیں۔ جس کام سے امام صاحب منع کریں اس کو واجب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

یہاں پر بطور فائدہ عرض ہے کہ ام ابوحنیفہ پکے غیر مقلد تھے۔

(دیکھئے احمد الطحاوی الحنفی المتولی ۱۲۳۳) کا حاشیہ علی الدر المختار (۱/۵۱ یعنی الفقہ مفتی محمد شفیع ۸۸) جناب اشرف علی تھانوی صاحب (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) کہتے ہیں

''امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے (مجالس حکیم الامت از ''مفتی'' محمد شفیع: ۳۴۵) جیسا کہ جناب ''مفتی'' رشید احمد لدھیانوی صاحب مقلدین کی دلیل یوں بیان کرتے ہیں

''ورنہ مقلد کے لیے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔ (ارشاد القاری ۱/۲۸۸)

نیز فرماتے ہیں کہ ہم اس لیے کہ امام (ابوحنیفہ) رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ (قرآن' حدیث اجماع اور اجتہاد شرعی) کہ ان سے استدلال وظیفہ مجاہد ہے۔ مزید فرماتے ہیں یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفہ مجتہد نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۵'۵)

قاضی محمد زاہد الحسینی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں امام المقلد قول المجتہد اب اگر ایک شخص امام ابوحنیفہ کا مقلد ہونے کا مدعی ہو اور ساتھ ہی وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے ساتھ یا علیحدہ قرآن وسنت کا بطور دلیل مطالعہ کرتا ہے تو وہ بالفاظ دیگر اپنے امام اور راہ نما کے استدلال پر یقین نہیں رکھتا۔ شاہ ولی اللہ الدھلوی الحنفی صاحب اس صورت حال کو دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے:

((فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا اطاعتہ بسند صالح عی خلاف مذھبہ وترکنا حدیثہ

واتبعنا ذلك الشيخين فمن اظلم نا وما عذر نايوم يقوم الناس لرب العالمين))

''اگر ہم تک صحیح سند کے ساتھ رسول معصوم ﷺ جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے کی حدیث پہنچے جو امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف ہے ہم حدیثوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہیں' ہم سے بڑا ظالم کون ہے؟ اس دن ہمارا کیا عذر ہو گا۔ جس دن لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔''

(حجۃ البالغہ ۱/۱۵۶)

اہل حدیث بحمد اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو دنیا و آخرت میں سعادت و نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ہمارے چار دلائل ہیں قرآن و حدیث' اجماع اور اجتہاد شرعی۔ ان سے ہم شرعی احکام ثابت کرتے ہیں۔ بعض لوگ ہمارے خلاف وحید الزمان کی کتاب ''نزل الابرار'' وغیرہ سے گندے حوالے پیش کرتے ہیں۔ ہم ان گندے حوالوں پر اوران کو ہمارے خلاف پیش کرنے والوں پر ہم ایک ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔

فقہ حنفی کے حقائق پر دسترس حاصل کرنے کے بعد برادر محترم مولانا عصمت اللہ خان ثاقب صاحب ملتانی حفظہ اللہ کی یہ کاوش دراصل تقلید کے چہرے پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے۔ یعنی مقلدین صرف تقلید میں کھڑے ہونے کے باوجود اختلاف وانتشار کا شکار ہیں ہم اللہ رب العزت سے امید رکھتے ہیں کہ حقائق پر مشتمل یہ کاوش تقلید پرستوں کو صراط مستقیم پر لانے کا سبب بنے گی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ برادر مکرم کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

غلام مصطفیٰ ظہری امن پوری

نقشِ اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد الالٰہ الذی لم یبعد منه بعید و لم یقرب منه قریب لأنهٗ علی العرش استویٰ .کرسیهٗ محیط بالسمٰوات والأرض وما بینهما وما تحت الثرٰی. وان نجهر با لقول فانه یعلم السر وا خفیٰ.و نخلص لهٗ الدعاء وقد قال: له الأسمآء الحسنیٰ فا دعوه بها .و نستعین ذاالجود والسماح من بیده کل مفتاح۔ ونسلم و نصلی علیٰ من ہو امام الرشد و الهدیٰ.قال الله فی شأنه : ما ضل صاحبکم وما غویٰ فتیقنا فی أسوته بالفوز والفلاح. و علی جمیع اصحابه الذین اتبعوہ حق الاتباع أما بعد!

کلامِ ہدایۃ کتاب اللہ کو مکمل طور پر مصدرِ ہدایۃ نہ سمجھنے اور امامِ ہدایۃ محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو مشعلِ راہ نہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان مختلف قسم کی اہواء و آراء کی غیر مرئی بندشوں میں جکڑا جاتا ہے۔ یہ خود ساختہ بندشیں چونکہ ذہنی پستی اور کم ہمتی کی پیداوار ہوتی ہیں' لہذا جوں جوں انکے قبضے کی مدت طویل ہوتی جاتی ہے انسان ذہنی اور روحانی لحاظ سے کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ ان آراء و اہواء کا بندہء بے دام اور اندھا مقلد بن جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ آراء خود اس کا اپنا نفس ایجاد کرے یا بغیر کسی ذہنی مشقت اور محنت کے کسی غیر کی طرف سے اُسے مہیا کر دی جائیں۔ بشرطیکہ اس کی ذات کے لیے اِن میں دلچسپی اور مفاد کا سامان بھی موجود ہو۔

عصرِ حاضر میں دیگر مقلدین کی نسبت ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہے جو اپنے آپ کو خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کا مقلد بتلاتے ہیں اور امامِ مذکور کی تقلیدِ جامد میں فخر بھی

محسوس کرتے ہیں اور بڑی شدت سے شخصی تقلید کے واجب ٹھہرانے پر زور دیتے رہتے ہیں نیز جو فرد یا جماعت اس قسم کی تقلید سے بیزاری کا اظہار کرے اُسے بے دین' لا مذہب اور گمراہ تک کہہ جاتے ہیں۔تقلیدِ شخصی کے بارے میں انکے نظریات کا اجمالی خاکہ کچھ اس طرح ہے:

((التقليد قبول قول الغير بلا دليل فكأنهٗ لقبولهٖ جعلهٗ قلادة في عنقهٖ))

''کسی دوسرے شخص کا قول قبول کرنا بغیر دلیل کے تقلید کہلاتا ہے۔پس گویا کہ اس مقلد نے بوجہ قبول کر لینے اپنے امام کے قول کو اس قول کو اپنے گلے کا طوق بنالیا۔'' (شرح قصیدہ امالی مطبوعہ یوسفی دہلی ص ۳۴)

مسلم الثبوت بحر العلوم مطبوعہ نولکشور میں ہے:

((التقليد العمل بقول الغير من غير حجة)) (ص ۶۲۴)

''تقلید عمل کرنا ہے قولِ غیر پر بلا دلیل کے۔''

نیز ''مسلم الثبوت'' میں لکھا ہے:

((اما المقلد فمستنده قول مجتهده)) (ص ۵)

''یعنی مقلد کیلیے صرف اسکے اپنے امام کا قول سند ہے۔''

ایک اور مقام پر تقلید کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

((التقليد اتباع الانسان غيره فيما يقول او يفعل معتقداً الحقيقة فيه من غير نظر وتامل فی الدليل كأن هذا المتبع جعل قول الغير أو فعله قلادة فی عنقهٖ من غير مطالبة الدليل)) (حاشیہ حسامی)

تقلید یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کے قول یا فعل کی پیروی (اُس کی) دلیل میں غور وفکر کیے بغیر اس اعتقاد کے ساتھ کی جائے کہ جو کچھ وہ کہتا ہے یا کرتا ہے وہی حق ہے۔گویا کہ اس مقلد نے اس دوسرے شخص کے قول وفعل کا

طوق اپنی گردن میں پہن لیا ہے اور اب وہ دلیل کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

اس اجمالی خاکے سے تقلیدِ شخصی کا جو نقشہ واضح طور پر سامنے آتا ہے اس کے مطابق ایک مقلد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے منتخب کردہ امام یا مجتہد کے قول یا فعل کو بغیر مطالبۂ دلیل کے بلا چون وچرا تسلیم کرے اور اس قول یا فعل پر کسی دلیل یا ثبوت وغیرہ کو تلاش نہ کرے۔ گویا اسی امام کا قول اس مقلد کے لیے حجت اور برہان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے مذہب کے حق میں دلائل تلاش کرنا' کتابیں تصنیف کرنا یا مناظرات وغیرہ کا بازار گرم کرنا' مقلد کو مقلد نہیں رہنے دیتا۔ کیونکہ دلائل کا مطالبہ یا دلائل کی تلاش مقلد کا شیوہ ہی نہیں۔ وہ تو بس آنکھیں بند کر کے اپنے امام اور مجتہد کے قول وفعل پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے خواہ اس پر کوئی دلیل موجود ہو یا نہ۔ اس لیے کہ تقلید اور تحقیق دو متضاد چیزیں ہیں' تحقیق کرنے سے آدمی تقلید کے پھندے سے نکل جاتا ہے اور تقلید کا پابند شخص' تحقیق کرنے کا مجاز ہی نہیں۔ اگر مثال درکار ہو تو ''شیخ الہند'' کا طرزِ عمل دیکھ لیجیے۔ انہوں نے بیع خیار کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کو حق پر سمجھنے اور جاننے کے باوجود تقلیدِ شخصی کا طوق اپنے گلے سے نہیں اتارا بلکہ اس مسئلہ میں ان کا ارشاد گرامی ہے:

((الحق و الانصاف ان الترجیح للشافعی فی ھذہ المسئلۃ و نحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفۃؒ))

(تقریر ترمذی ص۳۹)

''یعنی حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کو ترجیح حاصل ہے اور (ہماری مجبوری یہ ہے کہ) ہم مقلدین ہیں۔ ہم پر اپنے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔''

آخر یہ کس قسم کا ''واجب'' ہے جو ایک مقلد کو حق اور انصاف سے بھی دور لے جا رہا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ فقط ''شیخ الہند'' کی ہی مجبوری نہیں بلکہ اس آئینے میں جملہ مقلدین کی بے چارگی و بے بسی کی تصویر واضح طور پر نظر آ رہی ہے۔ تقلیدِ شخصی کا سب سے بڑا المیہ یہی تو ہے کہ وہ اپنے پھندے میں پھنسے ہوئے اہلِ

علم افراد کو بھی حقیقت سے آنکھیں چرانے پر مجبور کر دیتی ہے۔مقلد کیلیے تقلید شخصی اتنی مقدس شئے ہے کہ وہ اسکے ''ناموس'' کے تحفظ کی خاطر سچی اور کھری بات کو بھی ٹھکرا سکتا ہے مگر تقلید کے دامن پر ''نافرمانی'' کا دھبہ لگانا گوارا نہیں کرتا۔

بعض حضرات تو یہاں تک بھی فرما گئے ہیں:

فلعنة ربنا اعداد رمل
علی من رد قول ابی حنیفه

(ردالمختار علی الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار ص ۴۷)

''یعنی اس شخص پر ہمارے پروردگار کی ریت کے ذروں کے برابر لعنت ہو جو ابوحنیفہؒ کے قول کو رد کرے۔''

(آئندہ اوراق میں منصف مزاج لوگ بخوبی جان لیں گے کہ اس خطاب کا مستحق کون ہے۔)

تقلیدِ شخصی کو عوام و خواص کے لیے واجب ٹھہرانے کی سب سے اہم وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس کے بغیر اہواءَ اغراضِ نفسانی پر قابو پانا ممکن نہیں۔مختلف اہلِ علم سے مسائل پوچھنے کی بجائے ایک ہی شخص کے ہاتھ میں زمام کار دے کر بس اسی کے پیچھے سر نگوں ہو کے چلتے رہنا چاہیے۔جیسا کہ حضرت اشرف علی تھانویؒ نے مثال کے ذریعے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

مثلاً ایک شخص نے وضوء کر لیا پھر خون نکلوایا جس سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ میں امام شافعیؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ اس میں امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بلا تجدید وضو نماز پڑھ لی۔''(الاقتصاد ص ۴۰)

تو اس طرح وہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ فقط ایک ہی امام پر اکتفاء نہ کرنے سے آدمی خواہش نفسانی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ہم نہایت ادب سے گزارش کریں گے کہ تھانویؒ صاحب کا یہ مفروضہ کئی لحاظ سے غلط ہے۔

① اس لیے کہ جو شخص کسی معین مجتہد کی تقلید نہیں کرتا بلکہ براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہے اس کے ساتھ اس قسم کی صورت حال پیش نہیں آسکتی۔تجربہ شرط ہے۔

② جس طرزِ عمل سے بچانے کیلیے تقلید شخصی کو ''واجب'' کا درجہ بخشا گیا ہے اسی طرز عمل کی گنجائش فقہ حنفی میں بدرجہ اتم موجود ہے۔صاحب عین الہدایہ امام ابن الہمام حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''قول ابن الہمام کہ مقلد جس مجتہد کی چاہے تقلید کرلے مشعر ہے کہ فتوی دینے والا خود ایک قول کو اختیار کر کے اسکو حکایت کردے اور یہ کوئی قید نہیں لگائی کہ دلیل معلوم کرے یا قلب سے تحری کرے یا پوچھنے والے کے حق میں جو قول بہتر ہو یا جو اسکے حق میں نافع ہو یا وہ قول امام کا خاص ہو یا عام کسی مجتہد کا ہو۔اگرچہ ظاہر کلام یہی ہے کہ چاہے جس مجتہد کا قول ہو اور یہ بھی تفصیل یہاں نہیں فرمائی کہ جو قول اس فتوی دینے والے نے آج اختیار کیا ہے کل کے روز دوسرے فتوی میں یہی قول لکھے یا اختیار ہے کہ دوسرا قول لکھے۔'' (عین الہدایہ ص۹۹)

غور فرمایئے! مقلد اس بات کا پابند نہیں کیا گیا کہ وہ خاص امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے بلکہ جس مجتہد کی چاہے تقلید کرے۔اور مفتی صاحب کو بھی کھلی چھٹی ہے کہ وہ مقلد کے نفع ونقصان کی پرواہ کیے بغیر اسے اپنی مرضی سے کوئی سا قول بتلادے نیز مفتی صاحب کو یہ آزادی بھی ہے کہ آج اس نے جو قول اختیار کیا ہے کل اس کے علاوہ کوئی دوسرا قول اختیار کرلے۔بے شک ائمہ ومشائخ احناف میں پاک وپلید اور حلال وحرام کے اختلافات ہیں مگر مقلد اور مفتی دونوں کو اختیار ہے کہ جس کی چاہیں ''تقلید شخصی'' کریں۔واہ چہ خوب!

یہی حضرت تھانوی صاحب ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں ہر مسلم پر تقلید شخصی کو واجب ٹھہرایا ہوا ہے۔اور ''تقلید شخصی'' کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

❀ ''حقیقت تقلید شخصی کی یہ ہے کہ ایک شخص کو جو مسئلہ پیش آوے وہ کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کیا کرے'' (الاقتصاد ص ۳۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

❀ ''اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر کے عمل کرے۔'' (الاقتصاد ص ۳۲)

اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔یہ حال ہے تقلید کے پروانوں کا کہ ایک طرف ایک ہی عالم کی پابندی کو واجب ٹھہرایا جا رہا ہے اور دوسری طرف مقلد کو جس مجتہد کی چاہے تقلید کرنے کا اختیار دیا جا رہا ہے۔اور ''مفتی صاحب'' کو شریعت تہہ و بالا کر دینے کا عجیب ''رتبہ'' بخشا گیا ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں مختلف فتوے جاری کرتا رہے کوئی پابندی نہیں ہے۔مثالیں درکار ہوں تو حاضر خدمت ہیں:

(الف) شاہ ولی اللہ دہلویؒ حنفی لکھتے ہیں:

((و فی البزازیة عن الامام الثانی---و هو ابو یوسف رحمه الله-- انه صلی یوم الجمعة مغتسلاً من الحمام' و صلی بالناس و تفرقوا' ثم اخبر بوجود فأرة میتة فی بئر الحمام' فقال : اذاً نأخذ بقول اخواننا من اهل المدینة : اذا بلغ المآء قلتین لم یحمل خبثاً))

(انتهیٰ)۔(الانصاف مطبوعه بیروت ص ۱۱۰)

''یعنی فتاویٰ بزازیہ میں امام ثانی ابو یوسفؒ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے جمعہ کے دن ایک حمام میں غسل کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔لوگ نماز پڑھ کر منتشر ہو گئے تو قاضی صاحب کو بتایا گیا کہ (جس حمام میں آپ نے غسل وغیرہ کیا ہے اس) حمام کے کنویں میں ایک مرا ہوا چوہا پڑا ہے۔تو

انہوں نے کہا کہ اس وقت ہم اپنے مدینہ والے بھائیوں کے قول کو قبول کر لیتے ہیں کہ جب پانی قلتین کی مقدار ہو تو نجس نہیں ہوتا۔"

✿ حالانکہ امام ابو حنیفہؒ کے فتوے کے مطابق ایسی صورت حال میں پچھلے تین دنوں اور راتوں کی نمازیں لوٹانا ضروری ہیں۔ مگر قاضی صاحب نے اس "پریشانی" سے بچنے کیلیے فوراً اہل مدینہ کا قول قبول فرما لیا۔ یہ صرف اہل مدینہ ہی کا قول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی ہے کاش! قاضی صاحب شروع سے ہی اس حدیث کے عامل ہوتے تو اپنا مذہب چھوڑ کر اہل مدینہ کے مذہب میں پناہ لینے کی نوبت ہی نہ آتی۔

((وفی جامع الفتاویٰ آنه ان قال حنفی: "ان تزوجت فلانة فهی طالق ثلاثاً" "ثم استفتیٰ شافعیاً فاجاب انها لا تطلق ویمینه باطل فلا باس باقتد ائه بالشافعی فی هذه المسئلة الخ)) (ایضاً ص ۱۱۱)

"یعنی جامع الفتاویٰ میں ہے کہ اگر ایک حنفی نے کہا کہ اگر اس نے فلاں عورت سے شادی کی تو اسے تین طلاقیں ہیں۔ پھر اس نے اس مسئلہ کے بارے میں ایک شافعی المسلک عالم سے فتویٰ پوچھا تو اس نے کہا کہ اس طرح عورت پر طلاق نہیں پڑتی۔ تو اب اس حنفی کے لیے اس مسئلہ میں شافعی عالم کی اقتداء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

یعنی اب مذکورہ عورت اس حنفی کیلیے حلال ہوگئی وہ اس سے شادی کر سکتا ہے اور اگر پہلے سے کر رکھی ہے تو بلا جھجک اسے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

ثابت ہوا کہ تقلید شخصی بھی مقلد کی اغراض نفسانی پر قدغن لگانے سے معذور ہے۔ اور یہ صرف کسی شافعی سے ہی فتویٰ پوچھنے پر منحصر نہیں بلکہ خود فقہ حنفی کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے بھی اتباع نفس کا کافی سامان موجود ہے۔ کیونکہ فقہ حنفی مختلف اقوال وآراء کا ایک ایسا مرکب ہے جس میں رنگا رنگ کے مسائل اور فتاویٰ جات دیکھنے کو ملتے

ہیں۔ کسی مسئلے میں حنفی اماموں کا اتفاق نظر نہیں آتا الا قلیل۔ اور مقلدین حضرات مختلف مسائل میں کبھی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور کبھی کسی دوسرے امام کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں۔ صورتِ حال یہاں تک مخدوش ہے کہ سترہ مسائل میں تو فقط امام زفرؒ کی ''تقلید شخصی'' کی جاتی ہے۔ (ردالمختار ج۱ص۵۳)

بعض لوگ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ حنفی ائمہ کا آپس میں اختلاف' کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے کیونکہ اصول میں وہ سب امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ جیسا کہ تھانوی صاحب نے ''الاقتصاد'' میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

☆ صاحبین تو اصول میں خود امام صاحب کے مقلد ہیں صرف بعض جزئیات کی تفریع میں جو کہ ان ہی اصول سے مستخرج ہیں اختلاف کرتے ہیں لہذا بعض مسائل میں حسب قواعد رسم المفتی صاحبین کا قول لے لیتے ہیں اس لیے ترک تقلید لازم نہیں آتا کیونکہ شخصیت میں زیادہ مقصود بالنظر اصول ہیں۔''
(ص۸۱)

ہم انتہائی معذرت کے ساتھ اس حقیقت کے اظہار پر مجبور ہیں کہ تھانوی صاحب کا یہ دعویٰ اول تا آخر غلط ہے۔ چنانچہ علامہ سبکیؒ طبقات سبکی میں فرماتے ہیں:

((فانهما (ای ابا یوسف ومحمداً) یخالفان اصول صاحبهما)) (ج۱ص۲۴۳)

''پس بیشک صاحبین اپنے صاحب (امام ابوحنیفہؒ) کی اصول میں بھی مخالفت کرتے ہیں۔''

❁ علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں:

((انهم ادرجوا ابا یوسف ومحمداً فی طبقة مجتهدی المذهب الذی لا یخالفون الامام فی الاصول۔ ولیس كذالك فان مخالفتهما لامامهما فی الاصول غیر قلیلة حتیٰ قال الامام الغزالی فی كتابه المنخول انهما خالفا ابا حنیفة

فی ثلثی مذھبہ))

(مقدمہ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح وقایہ ص۸)

''یعنی اصحابِ تقسیمات نے ابو یوسف اور محمدؒ کو مجتہدین فی المذہب میں شمار کیا ہے جو اپنے امام کے مقرر کردہ اصول میں اختلاف نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی اپنے امام سے اصول میں مخالفت بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ امام غزالی نے اپنی کتاب المنخول میں کہا ہے کہ صاحبین نے اپنے امام سے دوتہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے۔''

مقامِ فکر یہ ہے کہ جس فقہ کے مجتہدین و موجدین کا آپس میں ہی اتفاق نہیں ہے وہ دوسروں کے لیے رہبر اور نمونہ کامل کس طرح بنائے جاسکتے ہیں۔ اور انکی ''تقلید شخصی'' انسان کو انتشارِ ذہنی و عملی سے کس طرح محفوظ رکھ سکتی ہے؟۔

جب حنفی مقلدین کو کہا جاتا ہے کہ وہ براہِ راست احادیثِ رسول اللہ ﷺ پر عمل کیوں نہیں کرلیتے تو جواب ملتا ہے کہ احادیث پر عمل کرنا مشکل ہے کیونکہ کوئی حدیث ناسخ ہے کوئی منسوخ، کوئی صحیح ہے اور کوئی ضعیف لہذا انکی تطبیق اور رفعِ تعارض یا رفعِ اختلاف وغیرہ ان کے بس کا کام نہیں اس لیے وہ کتبِ فقہ پر عمل کرتے ہیں۔ گویا ان کا دعویٰ ہے کہ کتبِ فقہ حنفی میں کوئی اختلاف یا تعارض وغیرہ نہیں ہے بلکہ سب کے سب اتفاقی اور اجماعی مسائل ہیں۔ ہم نے تالیف ہذا میں انہیں یہی آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس قدر بلکہ اس سے بھی شدید تر اختلاف تو کتبِ فقہ میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے۔ جو جائز و ناجائز سے لیکر حلال وحرام اور پاک و پلید تک جا پہنچتا ہے۔ اگر اختلاف کی وجہ سے احادیثِ نبویہؐ پر عمل نہیں کیا جا سکتا تو فقہ حنفی، جس میں اصولی و فروعی اختلافات بکثرت پائے جاتے ہیں، پر عمل کرنے کی صلاحیت انہیں کہاں سے مل گئی ہے۔ کیا جس قسم کی تطبیق و ترجیح رفعِ تعارض کے لیے اماموں کے اقوال میں دی جاسکتی ہے، وہی محنت احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں نہیں کی جاسکتی؟۔

پھر مذہبی حمیت کا سب سے بڑا لطیفہ تو یہ ہے کہ حنفی مقلدین بڑے فخر سے بیان

کرتے ہیں کہ موجودہ ومروجہ فقہ کی تدوین امام صاحب (ابوحنیفہؒ) کے زمانہ میں ہی ہو گئی تھی۔

○ مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب ''سیرت النعمان'' مطبوعہ مجتبائی ص ۲۰۰ پر لکھتے ہیں کہ تدوین (فقہ) کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں۔کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی۔امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا۔نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر مزید فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے امام محمدؒ امام طحاویؒ امام ابو یوسفؒ امام زفرؒ یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث وغیرہ کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔اور اس کام میں کم وبیش ۳۰ سال کا عرصہ صرف ہوا یعنی سن ۱۲۱ھ سے لیکر سن ۱۵۰ھ تک۔انتہیٰ ملخصاً۔

اگر مولانا شبلی کا یہ چشم دید واقعہ ہے تو ہم انکے اس ''کشفی کمال'' پر کچھ کہنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔اور اگر انہوں نے یہ سب کچھ عالمِ خواب میں دیکھا ہے تو ہم انہیں اس داستان گوئی پر معذور سمجھتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اگر حقیقت وہی ہوتی جو انہوں نے بیان فرمائی ہے تو فقہی مسائل میں حنفی اماموں کا اسقدر اختلاف اور افتراق ہرگز نہ ہوتا۔اور فقہ حنفی کی کتابوں میں ''قال ابوحنیفہؒ'' ''قال ابو یوسفؒ قال محمدؒ قال زفرؒ قال شیخ الاسلام قال صدر الشریعہ اور ''قال شمس الأئمہ'' وغیرہ کی صدائیں بلند نہ کی جاتیں۔یہ عدم اتفاق اور اختلاف اس بات کی گواہی ہے کہ انعقادِ مجلس اور اتفاق علی المسائل کی داستانیں محض دل خوش کرنے کا سامان ہے۔

ہم اپنے قارئین کو یہ بتلانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ تحریر ''حرفِ آغاز'' نہیں ہے بلکہ ''جوابِ آں غزل'' کے طور پر ہے۔کچھ دن پہلے ہماری نظر سے ایک رسالہ گزرا جو چھوٹے سائز میں ۳۲ صفحات کا ہے۔اس کے مصنف ''علامہ فہامہ جناب

مولانا مولوی حافظ سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری مفتی راندیر'' ہیں۔اس رسالے کا نام ہے''قطع الوتین کا دوسرا نمبر'' یہ نمبر صفحہ ۱۳ تک ہے۔صفحہ ۱۴ سے لیکر ص ۳۲ تک تیسرا نمبر ہے۔پہلے حصے میں انہوں نے مولوی وحید الزمان صاحب کی کتاب سے کچھ مسائل نقل کر کے بزعمِ خود''غیر مقلدوں کے پوشیدہ راز'' طشت از بام فرمائے ہیں۔اور ان مسائل کو اہل الحدیث کے ذمہ لگا کر انہیں بھی اپنے جیسا ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔وہ اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں' اس بات کا اندازہ ان کے منصف مزاج قارئین کو بخوبی ہوگیا ہوگا۔البتہ ہمیں جس چیز نے انکی تحریر کی طرف متوجہ کیا ہے وہ انکے رسالے کا دوسرا جزء ہے جس میں انہوں نے اہل حدیث کو''آپس میں مختلف'' ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

☆ ''یہ تیسرا نمبر ہے جو آپ کے پیش نظر ہے اس میں اہل حدیث کے اختلاف کو پیش کیا ہے کہ یہ خود آپس میں کس قدر مختلف ہیں الیٰ ان قال مقلدین بے چارے تو بزعم آپ کے امام کے پابند ہیں لیکن یہ لوگ ہوائے نفسانی کے پابند ہوکر اتنے مختلف ہو گئے جس کا نمونہ پیش نظر ہے۔''(ص ۱۹)

مفتی صاحب نے اپنے دعوے کے اثبات کے لیے ۵۵ مسائل لکھے ہیں جن میں زیادہ تر مولوی وحید الزمان اور نواب صدیق حسن خان صاحب کے مسائل مختلفہ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔اور حد تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں امام بخاریؒ حافظ ابن قیمؒ اور ابن تیمیہؒ کو بھی جماعت اہل حدیث میں شمار کر کے مولوی وحید الزمان کے ساتھ انکے اختلافات نقل کیے ہیں اور اس طرح انہوں نے اہل حدیث کو آپس میں مختلف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ہمیں انکی اس جرأت پر تعجب ہونے کے ساتھ ساتھ مسرت بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے باقی مقلدین کے علی الرغم امام بخاریؒ حافظ ابن قیمؒ اور ابن تیمیہؒ جیسے سلاطینِ امت کو غیر مقلد (اہل حدیث) تسلیم کر ہی لیا ہے۔اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اہل حدیث کو''کل کی پیداوار'' کہتے ہیں وہ بکواس ہی کرتے ہیں۔مفتی مذکور فرماتے ہیں کہ:

☆ ''یہ ساری مصیبتیں (اختلافات) عدمِ تقلید کی وجہ سے پیش آتی ہیں کیونکہ ہر شخص مجتہد ہے اور اپنی رائے میں مستقل ہے۔'' (ص ۲۸)

اور مفتی صاحب و دیگر حنفی مقلدین چونکہ ایک ہی امام کے پابند ہیں اس لیے ان ''مصیبتوں'' سے بچے ہوئے ہیں۔ واہ چہ خوش!

ایسے ''خوش فہموں'' کے لیے مولانا رومؒ کی مثنوی ہی کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

زانکہ تقلید آفتِ ہر نیکوی است
کہ بود اگر کوہِ قوی است

تمام نیکو کاری کے لیے تقلید بمنزلہ مصیبت کے ہے۔ گھاس کے برابر ہے تقلید اگرچہ وہ پہاڑ ہی کیوں نہ ہو

اے مقلد تو مجو بیشی برآں
کو بود منبع زنورِ آسماں

''اے مقلد محقق پر فضیلت مت ڈھونڈ۔ کیونکہ محقق ایک سرچشمہ ہے نورِ آسماں سے''

بس خطر باشد مقلد را عظیم
از رہ و رہزن و شیطانِ رجیم

''مقلد کے لیے بڑے بڑے خطرے ہیں۔ راہ سے 'راہ زن سے' شیطان مردود سے''

بہر حال ہماری یہ تحریر ایسے ہی خوش فہموں کے لیے ہے جو غلط فہمی میں تقلیدِ شخصی کو تحفہء آسمانی اور عمل بالحدیث کو مصیبت سمجھے ہوئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

❀❀❀

طہارت

وضوء کا بیان

اختلاف نمبر۱

ابتداء میں بسم اللہ الخ پڑھنا

((وتسمیّة الله تعالیٰ فی ابتداء الوضوء لقوله علیه السلام لا وضوء لمن لم یسمّ والمراد به نفی الفضیلة والأصح انها مستحبة و ان سمّاها فی الکتاب سنّة))

(هدایه کتاب الطهارات)

''اور اللہ تعالیٰ کا نام لینا ابتداء وضوء میں۔ بدلیل فرمان حضرت علیہ السلام کے کہ نہیں وضو اس کے لیے جس نے تسمیہ نہ کہی۔ اور مراد اس حدیث میں فضیلتِ وضوء کی نفی ہے۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ تسمیّہ ابتداء وضوء میں مستحب ہے اگرچہ کتاب میں اس کو سنّت کہا ہے۔

یہاں ''کتاب'' سے مراد ''قدوری شریف'' ہے۔ صاحب ہدایہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگرچہ امام قدوری نے تسمیّہ کو سنّت کہا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ سنت نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور آپ ﷺ کا فرمان ''لا وضوء الخ نفی فضیلت پر محمول ہے۔ تسمیّہ کے بارے میں ائمہ احناف کا اختلاف یہیں تک محدود نہیں ہے کیونکہ صاحبِ شرح الوقایہ فرماتے ہیں:

((اختلف اصحابنا فیه علیٰ ثلٰثة اقوال الأوّل انّهٗ مستحب وهو قول ضعیف و ان صححهٗ صا حب الهدایة والثانی انهٗ سنّة مؤکدة و علیه اکثرهم والثالث انه واجب والیه مال ابن

الھمام فی فتح القدیر و ھو الأوفق با المنقول و الأصول))
(عمدۃ الرعایہ ص ۶۳)

''اصحاب (حنفی ائمہ وغیرہ) نے تسمیّہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔اس مسئلہ میں انکے تین اقوال ہیں۔اول یہ کہ تسمیّہ مستحب ہے اور یہ ضعیف قول ہے اگر چہ صاحبِ ہدایہ نے اسکو صحیح (بلکہ اصح) قرار دیا ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ تسمیّہ سنّتِ موکدہ ہے۔اکثر (حنفی ائمہ ومشائخ) کا یہی مذہب ہے۔تیسرا قول یہ ہے کہ تسمیّہ واجب ہے۔فتح القدیر (ہدایہ کی شرح) میں امام ابن الہمام اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور یہی مذہب منقول اور اصول کے زیادہ موافق ہے۔''

لیجیے !جس مذہب کو صاحب ہدایہ نے ''اصح'' یعنی صحیح ترین قرار دیا ہے اسکو ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی صاحب نے ضعیف کہ کر رَد کر دیا ہے۔اور فیصلہ دے دیا کہ وجوب والا مذہب (حنفی) اصول اور منقول کے زیادہ موافق ہے مگر اب صاحبِ ''عین الہدایہ'' کی بھی سن لیجیے فرماتے ہیں:

☆ ''ایک جماعت علماء اس کے وجوب کے قائل ہیں اور فتح القدیر میں بعد بحث کے کہا کہ نظر و استدلال تو وضوء میں تسمیّہ واجب ہونے کی مؤدی ہے۔الیٰ ان قال عینیؒ نے کہا کہ مستحب ہونا کیونکر اصح ہوگا باوجودیکہ احادیثِ کثیرہ اسکی سنت ہونے پر وارد ہیں تو اگر ہم ان احادیث کا معارض نہ پاتے تو ان کا اقتضاء وجوب تھا چنانچہ ایک جماعت علماء اس طرف گئے ہیں۔اسی واسطے ''محیط'' و ''شرح مختصر کافی'' و ''تحفہ'' و ''غنیۃ'' و ''جامع'' و ''قدوری'' میں اسکو سنت کہا ہے اور ابن المرغینانی نے کہا کہ ھو الصحیح المختار یعنی سنت ہونا یہی صحیح مختار ہے۔'' (عین الہدایہ ج ا ص ۱۳)

خلاصہء کلام یہ ہوا کہ احادیثِ کثیرہ کی وجہ سے تسمیّہ کو مستحب کہنا ''اصح'' نہیں بلکہ غلط ہے۔اگرچہ صاحبِ ہدایہ کا یہی مذہب ہے۔اور چونکہ ان احادیثِ کثیرہ کا

معارض موجود ہے لہٰذا اس کو واجب کہنا بھی صحیح نہیں اگرچہ حنفی علماء کی ایک جماعت اسی مذہب کی حامی ہے۔اب صحیح اور مختار مذہب یہ نکلا کہ تسمیہ سنت ہے۔

اگر قارئین اجازت دیں تو اس مقام پر ان سے چند سوالات کرنے کو جی چاہتا ہے۔مگر شرط یہ ہے کہ بے جا مسلکی حمیّت اور سلاسلِ تقلید کا بوجھ ایک طرف ہٹا کر پوری ایمانداری سے جواب دیا جائے۔

1. فقہ حنفی کی کتاب ''ہدایہ'' کے بارے میں یہ دعویٰ کہ ''الهداية كا لقرآن الخ (ہدایہ قرآن کی مثل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے دینی مسائل کے لیے کسی اور کتاب کی طرف رجوع کرنے کی قطعاً حاجت نہیں ہے کیونکہ اس نے قرآن کی مثل پچھلی تمام دینی کتابوں کو منسوخ کردیا ہے) فی الواقع صحیح ہے یا غلط؟۔
2. تقلیدِ شخصی کے خوگر مقلد کو فقہ حنفی نے کیا دیا؟۔مذہب کی یکسوئی یا ذہنی خلجان؟۔
3. کیا مقلدین واقعۃً ایک ہی امام (ابو حنیفہؒ) کی تابعداری میں زندگی گزار رہے ہیں اور اسطرح وہ مختلف قسم کی اہواء وآراء جیسی ''مصیبتوں'' سے بچے ہوئے ہیں؟۔

یقین کیجیے میرے ذہن میں اس وقت سوالات کا ایک انبار کروٹیں لے رہا ہے مگر عاقل کے لیے اگر اشارہ ہی کافی نہ ہو تو اس کی عقل مندی کس کام کی۔نمونہ کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے مگر کیا کیجیے کہ یہاں تو اختلافات کا ایک پورا جنگل موجود ہے۔اور جنگل میں بھی ''منگل'' کا نہیں دنگل کا تسلی بخش نظارہ کرایا گیا ہے۔

اختلاف نمبر۲

تسمیہ کا وقت

تسمیہ کب پڑھنا چاہیے اس ضمن میں صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

((ویسمّی قبل الاستنجاء وبعدہٗ هو الصحيح))

(ھدایہ کتاب الطھارات)

''اور تسمیہ پڑھے استنجاء سے پہلے اور بعد میں بھی۔ یہی صحیح ہے۔''

مگر اسکے برعکس امام حلبی حنفی فرماتے ہیں:

((والاختلاف فی وقت التسمیۃ کا لاختلاف فی وقت غسل الیدین قال بعضھم یسمی قبل الاستنجاء وقال بعضھم بعدہ))

(الشرح الکبیر معروف بہ کبیری ص۲۱)

''تسمیہ کے وقت میں اختلاف ہے جس طرح دونوں ہاتھوں کے دھونے کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض (أئمہ احناف) اس بات کے قائل ہیں کہ فقط استنجاء سے قبل تسمیہ پڑھنا چاہیے اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ استنجاء کے بعد تسمیہ پڑھنا چاہیے۔''

اب مسئلہ ''سنت'' کا ہے اور معاملہ بیچارے مقلد کا ہے جو تقلیدِ شخصی کے بغیر ایک سانس لینے کا بھی روادار نہیں۔ غریب جائے تو جائے کہاں! پھر مسئلہ بھی یہیں تک محدود نہیں بلکہ اس سلسلے میں ایک اور اختلاف بھی موجود ہے۔

اختلاف نمبر۳

تسمیّہ کے الفاظ

امام حلبی حنفی لکھتے ہیں:

((وقیل الأفضل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بعد التعوّذ وفی المجتبیٰ یجمع بینھما و فی المحیط لو قال لا الٰہ الا اللہ و الحمدللہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ یصیر مقیماً للسنۃ کذا فی شرح الھدایۃ لابن الھمام)) (کبیری ص۲۱)

''کہا گیا ہے کہ افضل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا ہے۔ اور ''مجتبیٰ'' میں ہے

کہ دونوں (تعوّذ وتسمیہ) پڑھے۔اور ''محیط'' میں ہے کہ اگر اس نے لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشھدان لا الٰہ الا اللہ پڑھ دیا تو سنّت ادا ہوگئی۔ابن الھمام کی شرح ہدایہ (فتح القدیر) میں اسی طرح لکھا ہے۔''

صاحب عین الھدایہ لکھتے ہیں:

○ ''پھر مراد خاص کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے یا کوئی نام ہو محیط میں ہے کہ اگر ابتداء وضوء میں لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ یا اشھدان لا الٰہ الا اللہ کہا تو سنتِ تسمیہ ادا ہوگئی۔اور دبوسی نے کہا کہ افضل یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے۔اور اکمل و خبازی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول یہ کہ بسم اللہ العظیم والحمد للہ علیٰ دین الاسلام۔عینیؒ نے کہا کہ یہ لوگ باوجود علم وفضل کے حدیث واثر کو ذکر کرکے نہیں بیان کرتے کہ کس نے اخراج کیا اور صحت وضعف میں کیا حال ہے اور یہ آفت تقلید سے پڑی ہے۔'' (عین الھدایہ ج ا ص۱۲)

ائمہ احناف کا اختلاف تو اپنی جگہ پُر حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ جب بقول احناف آپ ﷺ سے بسم اللہ العظیم الخ پڑھنا منقول ہے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا افضل کس طرح ٹھہرا۔نیز لا الٰہ الا اللہ وغیرہ کلمات سے سنّتِ تسمیّہ کس طرح ادا ہو گئی۔مقلدین احباب اس الجھن کو سلجھا سکیں تو بسم اللہ! ورنہ عینیؒ کے بقول تو یہ ساری آفت تقلید سے پڑی ہے۔جو لوگ ''علم وفضل'' کے باوجود تقلید کو ہی مشکل کشاء سمجھتے رہیں وہ ہمیشہ آفت اور مصیبت میں ہی پڑے رہتے ہیں۔

اختلاف نمبر۴

مسواک

○ ''شرح طحاوی میں ہے کہ مسواک سنت ہے خواہ تر ہو یا خشک ہو تمام اوقات میں خواہ کوئی حال ہو۔لیکن ہمارے اکثر اصحابِ حنفیہ کے نزدیک مسواک سنتِ وضوء ہے ......شیخ ابن الھمام نے کہا کہ حق یہ ہے کہ وضوء میں مسواک کرنا

مستحب ہے۔'' (عین الہدایہ ج ۱ ص ۱۴)۔

یعنی شرح طحاوی والے (شیخ الاسلام الاسبیجابی) کے نزدیک تمام اوقات اور ہر حال میں مسواک کرنا سنت ہے۔مگر اکثر ائمہ و مشائخ احناف کے نزدیک صرف وضوء میں مسواک کرنا سنت ہے اور ایک دوسرے ''شیخ'' (جو درجہ اجتہاد کو بھی پہنچے ہوئے ہیں) کے نزدیک ''حق'' یہ ہے کہ مسواک وضوء میں بھی مستحب ہے سنت نہیں۔ یاد رہے کہ سنت کو مستحب یا مستحب کو سنت قرار دینا شرعی لحاظ سے ایک بہت بڑا جرم ہے۔لہذا اس اختلاف کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔

❀ اب فقہ حنفی کی مشہور متداول کتاب ''منیۃ المصلی'' کا مطالعہ بھی فرمالیجیے۔مصنف لکھتے ہیں:

((و من الآداب ان یستاك ان كان له سواك و الا فبالاصبع))'

(منیه مع غنیه ص ۳۱)

''آداب میں سے ہے کہ وضوء کرنے والا مسواک کرے اگر اسکے پاس ہو ورنہ انگلی سے کرے۔''

لیجیے! انکے نزدیک نہ تمام اوقات میں سنت ہے نہ وضوء کے وقت۔اور نہ ہی مستحب ہے بلکہ صرف ادب ہے۔ ع لائے ہیں بزمِ ناز سے یار خبر الگ الگ

اختلاف نمبر ۵

غسل الیدین

پانی والے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے قبل انہیں دھو لینا چاہیے۔اس مسئلہ میں ائمہ احناف کا کیا حکم ہے' آیئے! معلوم کرتے ہیں:

((و سنّتهٗ للمستيقظ غسل يديه الىٰ رُسغيه ثلاثاً قبل ادخالهما الاناء هذا الغسل عند بعض المشا ئخ سنة قبل الاستنجاء و عندالبعض بعدهٗ و عندالبعض قبلهٗ و بعدهٗ

جمیعا)) (شرح وقایہ ص ۶۲)

’’نیند سے جاگنے والے کے لیے سنت ہے کہ وہ اپنے ہاتھ پانی کے برتن میں داخل کرنے سے پہلے انہیں کلائیوں تک تین بار دھو لے۔ یہ غسل (ہاتھوں کا دھونا) بعض مشائخِ احناف کے نزدیک استنجاء سے پہلے سنت ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک استنجاء کے بعد سنت ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک استنجاء سے پہلے اور بعد دونوں وقت ہاتھ دھونا سنت ہے۔‘‘

یہ ہے شریعت کا ’’عطر اور نچوڑ۔‘‘ یہ مذہب ہے یا مذہب کا ستیاناس!

یوں معلوم ہوتا ہے ان ’’مشائخ‘‘ نے سنّتِ رسول کو ایک مذاق سمجھا ہوا ہے کہ تعلیمِ سنت کے وقت اپنے مذہب کا بھی تماشہ بنا دیتے ہیں۔ کیا فائدہ ایسی ’’مجلس‘‘ کا جس میں ’’ہر مسئلہ‘‘ پر دلائل کے انبار کے ساتھ مہینوں مغز ماری ہوتی رہے مگر نتیجہ پھر بھی وہی ڈھاک کے تین پات!۔

کاش! ایسی فقہ کو عوام کے سروں پر مسلط کرنے کی بجائے اتنی محنت حدیثِ رسول ﷺ کی تلاش و جستجو میں صرف کر دی جاتی تو کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ مگر ع:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اختلاف نمبر ۶

داڑھی کا خلال

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

((وتخلیل اللحیۃ لأن النبی علیہ السلام امرہ جبرئیل علیہ السلام کذالک و قیل ھو سنۃ عند ابی یوسف و جائز عند ابی حنیفۃ و محمد لأن السنۃ اکمال الفرض فی محلہ والداخل لیس بمحل الفرض)) (ہدایہ کتاب الطہارات)

"منجملہ سنتوں کے داڑھی کا خلال کرنا ہے۔ کیونکہ حضرت ﷺ کو تخلیل لحیہ کا حکم دیا تھا جبرئیل علیہ السلام نے۔ اور کہا گیا ہے کہ داڑھی کا خلال ابو یوسف کے نزدیک سنت ہے اور ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک جائز ہے کیونکہ سنت تو پورا کرنا فرض کا اسکے محل میں ہوتا ہے اور داڑھی کا اندرونی مقام کوئی فرض کا محل نہیں ہے۔"

گویا اس مسئلہ میں صاحبِ ہدایہ متردد ہیں۔ پہلے اسے سنتوں میں شمار کیا اور بعد میں حنفی ائمہ کا اختلاف نقل کر کے سنت کی بجائے "جائز" کہنے والوں کیلیے دلیل بھی فراہم کردی۔ اور دلیل یہ دی کہ سنت چونکہ تکمیلِ فرض کیلیے ہوتی ہے اور داڑھی کا خلال تکمیلِ فرض کیلیے نہیں ہے لہذا یہ امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک سنت نہیں ہے۔ مگر!

☆ امام حلبی حنفی فرماتے ہیں:

((و ایصال المآء الیٰ ما تحت الشارب والحاجبین سنة ایضاً تکمیلاً للفرض لأن غسلهما فرض کما تقدم فکان کتخلیل اللحیة و الأصابع و عدهٗ فیِ التجنیس من الآداب)) (کبیری ص ۲۲)

"مونچھوں و ابروؤں کے نیچے پانی پہنچانا بھی سنت ہے فرض کی تکمیل کیلیے۔ کیونکہ ان کا دھونا فرض ہے۔ پس یہ (پانی پہنچانا) داڑھی اور انگلیوں کے خلال کی مانند ہے۔ اور "التجنیس" میں اسکو آدابِ وضوء میں شمار کیا ہے۔"

ہمیں اس موقع پر اس سے غرض نہیں کہ جس چیز کو امام حلبی نے "سنت" قرار دیا ہے اسے صاحبِ تجنیس نے "آداب" میں کیوں شمار کیا ہے۔ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ داڑھی کا خلال "سنت" نہ ہونے کی جو دلیل امام ابوحنیفہ کی طرف سے صاحبِ ہدایہ نے پیش کی ہے' اسے امام حلبی نے رد کردیا ہے اور داڑھی کے خلال کو فرض کی تکمیل کی بنا پر سنت قرار دیا ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

((وھذا اعنی کون تخلیل اللحیة سنة قول ابی یوسف واَمّا

عند هما فمستحب و یرویٰ جا ئز والأدلة ترجّح قول ابی یوسف وقد رجحهٗ فی المبسوط وهو الصحیح)) (ایضاً)

''داڑھی کے خلال کا ''سنت'' ہونا یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔لیکن ان دونوں (امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ) کے نزدیک ''مستحب'' ہے اور ان سے ''جائز'' ہونا بھی روایت کیا گیا ہے۔مگر دلائل سے ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہے اور اسی کو ''مبسوط'' میں راجح قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے۔''

اب بتائیے! فلعنة ربنا اعداد رمل والاشعر کس پر چسپاں ہوا؟۔

سچ پوچھیے تو اس لعنتی شعر نے خود احناف کے پلے کچھ نہیں چھوڑا۔اگر نگاہِ عبرت اجازت دے تو اب ان بیہودہ کلمات سے پیچھا چھڑا ہی لینا بہتر ہے۔بلکہ ہو سکے تو ایسے شاعر کو اسکی شاعری سمیت کسی ایسے مدفن میں دبا یئے جہاں سے اسکا تعفن پھر سے امتِ مسلمہ کے تعاقب میں نہ آ سکے۔

اختلاف نمبر ۷

چہرے کی حد

((ففرض الوضوء غسل الوجه من الشعر الیٰ الأذن ......فیکون ما بین العذار والأذن داخلاً فی الوجه کما هو مذهب ابی حنیفة ومحمد فیفرض غسلهٗ وعلیه اکثر مشائخنا)) (شرح وقایه ص ۵۴)

''وضوء کا فرض چہرے کا دھونا ہے ماتھے کے بالوں سے لیکر کانوں تک۔پس عذار (رخسار پر کان کے مقابل بالوں) اور کانوں کے درمیان والی جگہ چہرے میں داخل ہے۔جس طرح کہ ابوحنیفہ اور محمد کا مذہب ہے پس اسکا دھونا بھی فرض ہے اور اکثر مشائخ (احناف) کا یہی مذہب ہے۔''

یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ و اکثر حنفی مشائخ کا یہ مذہب ہے کہ عذار اور کانوں کی

درمیانی جگہ چہرے میں شامل ہے لہذا اس کا دھونا بھی فرض ہے۔معلوم ہوا کہ بعض حنفی مشائخ کا یہ مذہب نہیں ہے اور ان ''بعض'' میں امام ابو یوسفؒ بھی شامل ہیں۔

☆ علامہ عبدالحیؒ حنفی لکھنوی لکھتے ہیں:

((و عن ابی یوسف لا یلزم الملتحی ایصال المآء الیه))

(عمدة الرعایه ص ۵۴)

''ابو یوسف سے مروی ہے کہ داڑھی کی جڑوں تک پانی پہنچانا لازم نہیں ہے۔''

اسی طرح امام حلبی حنفی لکھتے ہیں:

((وکذا ما بین ا لعذ ارین و الأذن یجب غسلهٗ لما ذکرنا من دخولهٖ فی حد الوجه خلافاً لأبی یوسف)) (کبیری ص۱۷)

''اور اسی طرح دونوں رخساروں اور کانوں کی درمیانی جگہ کا دھونا فرض ہے کیونکہ وہ چہرے کی حد میں داخل ہے ابو یوسف کے خلاف۔''

اس مسئلہ میں پہلے کی طرح ابو یوسف کی ''تقلیدِ شخصی'' نہیں کی جاتی بلکہ یہاں ابوحنیفہؒ و محمدؒ کی تقلید شخصی کی جاتی ہے۔اول الذکر کے مذہب میں جس وضوء سے نماز پڑھنا جائز اور صحیح ہے' باقی دو کے مذہب میں وہ وضوء ہی صحیح نہیں چہ جائیکہ اس سے پڑھی جانے والی نماز صحیح ہو۔کیونکہ جس وضوء میں کسی ایک فرض کو بھی ترک کردیا گیا تو ایسے وضوء سے نماز پڑھنا گویا بے وضوء نماز پڑھنا ہوا۔یہ ہے ''تقلیدِ شخصی'' اور اسکی برکتیں انّالِلہِ و انا الیه راجعون۔!

اختلاف نمبر ۸

مرفقین و کعبین کا دھونا فرض ہے یا نہیں

((والیدین والرِجلین مع ا لمرفقین والکعبین خلافاً لزفرفان

عندہٗ لایدخُل المرفقان وا لکعبان فی الغسل الخ))

(شرح وقایہ ص۵۵)

''دونوں ہاتھ اور پاؤں کہنیوں اور ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہیں امام زفر کے خلاف۔ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے غسل میں شامل نہیں ہیں۔''

اسی طرح امام قدوریؒ لکھتے ہیں:

((والمرفقان والکعبان تدخلان فی فرض الغسل عند علمائنا الثلاثة خلافاً لزفر)) (قدوری ص۲ و ۳ و کبیری ص۱۶)

''کہنیاں اور ٹخنے فرضِ غسل میں داخل ہیں ہمارے تین علماء کے نزدیک زفر کے خلاف۔''

یہاں تین علماء سے مراد ابوحنیفہؒ ابویوسفؒ اور محمدؒ ہیں۔انکے مذہب میں وضوء کرتے وقت کہنیاں اور ٹخنے دھونا فرض ہے مگر امام زفر (یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں) کے مذہب میں کہنیاں اور ٹخنے دھونا فرض نہیں ہے۔

❀ امام زفرؒ کو معمولی چیز نہ سمجھیے ''تقلیدِ شخصی'' کے پیشواؤں کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل ہے۔علامہ ابن عابدین حنفی لکھتے ہیں:

((ثم الفتویٰ علیٰ الاطلاق علیٰ قول ابی حنیفة ثم قول ابی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفر و الحسن بن زیاد الخ))

(ردالمختار ص۵۲)

''فتویٰ علی الاطلاق ابوحنیفہ پھر ابو یوسف پھر محمد پھر زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر دیا جاتا ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

((وعلیٰ قول زفر فی سبع عشرة مسئلة حررتها فی رسالة))

(ایضاً ص۵۳)

''یعنی سترہ مسائل میں امام زفر کے قول پر فتویٰ ہے۔میں نے ان مسائل کو

ایک الگ رسالے میں لکھا ہے۔“

تو گویا سترہ مسائل میں امام زفر کی ”تقلید شخصی“ کی جاتی ہے۔ بایں ہمہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ہم تو ایک ہی امام کے پابند ہوکر اختلافِ رائے کی ”مصیبتوں“ سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ فقہ حنفی کے سارے مسائل امام ابوحنیفہؒ کی اتحادی مجلس میں ہی طے کر لیے گئے تھے۔ مگر پوری غیر جانب داری کے ساتھ فقہ حنفی کا مطالعہ کرنے والا شخص یہ رائے قائم کیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا کہ فقہ حنفی پر عمل کرنے والے کیلیے امام ابوحنیفہ کی تقلید لازم تو درکنار ممکن بھی نہیں۔ دیدہ باید!

اختلاف نمبر۹

غسلِ اعضاء کی کیفیت

((وذکر شمس الأئمه الحلوائی یکفیه ان یبلّ ما بین العذار والاذن ولا یجب اسالة الماء علیه بناءً علیٰ ماروی عن ابی یوسف ان المصلی اذا بلّ وجههٗ واعضاء وضوئه بالماء ولم یسل الماء عن العضو جاز)) (شرح وقایہ ص ۵۴)

”شمس الأئمہ حلوائی نے بیان کیا ہے کہ رخسار اور کانوں کی درمیان والی جگہ کو فقط تر کردینا کافی ہے اس پر پانی بہانا واجب نہیں۔ اس مسئلے کی بنیاد پر جو امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ نمازی آدمی جب اپنا چہرہ اور دیگر اعضاء وضوء پانی سے تر کرلے اور پانی عضو پر نہ بھی بہے تو (وضوء اور نماز) جائز ہے۔“

مزید تفصیل کیلیے علاّمہ عبدالحی حنفی لکھتے ہیں:

((فالأقوال ههنا صارت ثلاثة احدها ذهب الیه ابوحنیفة و محمد من ان المعتبرفی الغسل هو الاسالة والتقاطر فی جمیع الاعضاء المغسولة و اجزائها ......وثانیها قول ابی یوسف انه یکفی فی الغسل ان یبُلّ وان لم یسل الماء ......وثالثها قول شمس الأئمة ان المعتبر فی غسل الوجه

وغیرہ وھو الاسالۃ الاما بین العذارو الاذن فانہ مع دخولہٖ فی الوجہ یکفیہ البل))

(عمدۃ الرعایہ ص ۵۴ و التوضیح الضروری شرح قدوری ص ۲)

''اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ تمام اعضاء مغسولہ میں ایسا غسل معتبر ہے جس میں اعضاء پر پانی بہایا جائے اور پانی کے قطرے نیچے ٹپکیں۔ یہ ابوحنیفہ ومحمد کا مذہب ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اعضاء کے غسل میں اعضاء کو صرف تر کر دینا کافی ہے خواہ پانی نہ بھی بہے۔ یہ ابویوسف کا مذہب ہے۔ تیسرا یہ ہے کہ چہرے اور دیگر اعضاء کے غسل میں وہی غسل معتبر ہے جس میں اعضاء پر پانی بہایا جائے البتہ رخسار اور کانوں کے درمیان والی جگہ اگرچہ چہرے کی حد میں داخل ہے لیکن اسکو صرف تر کر دینا کافی ہے اس پر پانی بہانا فرض نہیں۔ یہ مذہب شمس الأئمہ حلوائی کا ہے۔''

کمال ہے فقہ حنفی اور اسکے مُوجدین کا' کہ ایک ہی مسئلے میں تین تین مذہب موجود ہیں اور وہ بھی فرض جیسے اہم معاملے میں۔ زیادہ قابلِ تعریف تو شمس الأئمہ حلوائی صاحب کی ذات ہے جنہوں نے وفاداری کا فرض پوری طرح نبھایا ہے اور کمال دانائی سے دونوں ''گھر'' راضی رکھنے کی کوشش فرمائی ہے۔ عذار اور کانوں کے درمیان والی جگہ کے چہرے کی حد میں داخل ہونے کے مسئلے میں انہوں نے امام ابوحنیفہ ومحمد کا ساتھ دیا ہے اور اسی جگہ کے غسل کی کیفیت میں وہ ان دونوں کو چھوڑ کر ابویوسف کے ساتھ مل گئے ہیں۔ یعنی رند کے رند رہے نہ جنت ہاتھ سے گئی

اسے کہتے ہیں ''اتحادِ مجلس'' اور ''اتفاق علی المسائل۔'' مبارک ہو!

اختلاف نمبر ۱۰

وضوء کا پانی اور کتاّ

((واذا سدّ کلب عرض النہر و یجری المآء فوقہٗ ان کان ما

یلاقی الکلب اقل مما لا یلا قیہ یجوز الوضوء فی الأسفل وا لا لا قال الفقیہ ابو جعفرؒ علیٰ ھذا ادرکت مشائخی وعن ابی یوسف لابأس بالوضوء بہٖ اذا لم یتغیر احدا وصافہ)) (شرح وقایہ ص۸۵) و(فتاویٰ قاضیخان ص ۳)

''اگر کتے نے نہر کی چوڑائی کو بند کر دیا (یعنی پانی کو روک دیا) اور پانی اسکے اوپر سے بہنے لگا۔ تو جو پانی اسکے جسم سے لگ کر آرہا ہے اگر اس پانی سے تھوڑا ہے جو اسکے جسم سے مَس ہو کر نہیں آرہا۔ تو نیچے سے اس پانی کے ساتھ وضوء جائز ہے۔ اور اگر کتے کے جسم سے مَس ہونے والا پانی زیادہ ہے تو وضوء جائز نہیں۔ فقیہ ابو جعفرؒ کہتے ہیں میں نے اپنے مشائخ کو اسی مذہب پر پایا ہے۔ مگر امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جب تک پانی کے اوصافِ ثلاثہ (رنگ' بو اور ذائقہ) میں سے کوئی وصف نہ بدلے تو وضوء میں کوئی حرج نہیں۔ (چاہے کتے کے جسم سے لگ کر آنے والا پانی زیادہ ہی کیوں نہ ہو)۔''

نوٹ: فتاویٰ قاضیخاں میں لفظ ''نہر'' کی بجائے ''ساقیة صغیرة'' کے الفاظ ہیں۔ یعنی چھوٹا نالہ۔ جیسے آجکل کھیتوں کی آبپاشی کیلیے بنائے جاتے ہیں۔

- فقیہ ابو جعفر بھی حنفی ہیں اور انکے مشائخ بھی۔ اور امام ابو یوسف تو ویسے بھی بڑے ''اصحاب'' میں سے ہیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ حنفی حضرات کس کی ''تقلیدِ شخصی'' پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی صرف اتباعِ حدیث کے معاملہ میں تنگ نظری ہے' ویسے جس کی چاہیں شوق سے ''تقلیدِ شخصی'' فرمائیں۔

اختلاف نمبر ۱۱

وضوء اور انگور کا پانی

((اما الماء الذی یقطر من الکرم فیجوز التوضی بہٖ لأنہ ماء

خرج من غير علاج ذكرهٗ في جوامع يوسف وفي الكتاب اشارة اليه)) (هدايه كتاب الطهارات)

''رہا وہ پانی کہ جو خود بخود ٹپکتا ہے تاکِ انگور سے تو اس سے وضوء کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ وہ پانی ہے جو بغیر ترکیبی دستکاری کے نکل آیا۔ یہ مسئلہ جوامع ابو یوسف میں مذکور ہے اور کتاب قدوری میں اسی طرف اشارہ ہے۔''

○ مگر اسکے برعکس امام فخر الدین حسن معروف بقاضی خاں لکھتے ہیں:

((لا يجوز التوضی بالمآء الذی يسيل من الكرم فی الربيع كذا ذكرهٗ شمس الأئمه الحلوائی رحمه الله))

(فتاویٰ قاضیخاں ص۹ وکبیری ص۸۹)

''یعنی وضوء جائز نہیں ہے اس پانی سے جو خود بخود بہتا ہے تاکِ انگور سے ربیع کے موسم میں اسی طرح بیان کیا ہے شمس الأ ئمہ حلوائی نے۔''

یاد رہے کہ احناف کے ہاں صاحبِ ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی المرغینانی طبقہء چہارم کے ہیں اور قاضی خان و شمس الأ ئمہ طبقہء دوم کے ہیں۔ (عین الہدایہ ص۹۱)

یہیں سے فتاویٰ قاضی خاں کی اہمیّت کا اندازہ کر لیجیے۔ البتہ یہ تو مقلدین کو ہی معلوم ہو گا کہ وہ اس مسئلہ میں صاحبِ ہدایہ اور ابو یوسف کی ''تقلیدِ شخصی'' کر رہے ہیں یا قاضیخان اور شمس الأ ئمہ کی۔ کیونکہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ نے تو سرے سے دخل ہی نہیں دیا۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ اس مسئلہ پر ''بحث و تمحیص'' کے وقت ابو یوسفؒ ''اتحادی مجلس'' سے غیر حاضر رہ گئے ہوں۔

اختلاف نمبر۱۲

وضوء اور نبیذ (الف)

کھجور کی نبیذ سے وضوء جائز ہے یا نہیں، دیکھتے ہیں کہ اُئمہ احناف اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں:

((فان عدم الماء الا نبیذ التمر قال ابو حنیفۃؒ بالوضوء بہ فقط و ابویوسف بالتیمم فحسب و محمد بھما والخلاف فی نبیذھو حلو رقیق یسیل کالماء)) (شرح وقایہ ص۹۴)و (کبیری ص۶۹۔ ۷۰) و (ھدایہ کتاب الطھارات)

''اگر کھجور کی نبیذ کے علاوہ پانی نہ ملے تو امام ابوحنیفہ نبیذ سے فقط وضوء کے قائل ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف تیمّم کافی ہے اور امام محمد دونوں (وضوء اور تیمّم) کے قائل ہیں۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب نبیذ میٹھی اور پتلی ہو جو پانی کی طرح بہے۔''

یعنی اس مسئلہ میں ائمہ احناف کے تین مذہب ہیں۔ دونوں شاگرد اپنے استاد سے مختلف مذہب رکھتے ہیں اور خیر سے دونوں شاگرد ''آپس'' میں بھی متفق نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ نبیذ سے فقط وضوء کر لینا جائز ہے۔ وضوء کے ساتھ تیمّم کرنا جائز نہیں۔ ابو یوسف کہتے ہیں کہ نبیذ سے وضوء کرنا جائز نہیں بلکہ ایسی صورت میں صرف تیمّم کر لینا کافی ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ نبیذ کے ساتھ وضوء بھی کیا جائے اور اسکے بعد تیمّم بھی کر لیا جائے۔ یعنی انکے نزدیک اکیلا وضوء یا اکیلا تیمّم ناکافی اور ناجائز ہے۔

- وہ لوگ جو تقلید شخصی کو اپنا دین و ایمان بنائے ہوئے ہیں اب اپنے دل و دماغ سے ہر قسم کا گروہی تعصب اور انانیت کے فضول جذبات ہٹا کر پوری ایمانداری سے سوچیں کہ یہاں انکے پاس ''تقلید شخصی'' کی کیا صورت ہے۔ اگر فہم و بصیرت کا بالکل ہی دیوالیہ نہ ہو چکا ہو تو یہ سمجھنے میں اب قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں رہ گئی کہ ''تقلید شخصی'' کو اتحاد اور اتفاق کی علامت سمجھنا ایک نادانی کے سوا کچھ نہیں۔ محض عوام کو بہلانے کیلیے ''تقلید شخصی'' کا لولی پاپ انکے ہاتھوں میں تھما دیا گیا ہے وگرنہ اس قدر مختلف آراء و اہواء کے انبار کو ''تقلید شخصی'' کا نام دینا دیانت و امانت کا خون نہیں تو اور کیا ہے۔ ضمیر کا لاشے میں بدلنے کا نظارہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا تین مذاہب میں سے کسی مذہب مثلاً امام

ابو یوسف کے مذہب پر بھی عمل کر لے پھر بھی امام ابوحنیفہ کی ''تقلید شخصی'' کا ہی مرتکب گردانا جائے گا۔خواہ اس نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو دلائل سے ہی کیوں نہ رد کردیا ہو۔مگر رہے گا پھر بھی ''مقلد''ہی اور وہ بھی امام ابوحنیفہؒ کا۔تقلید شخصی کو''شرعی واجب'' کا درجہ دینے والوں نے یہ نہ سوچا کہ اس طرح وہ منصب نبوت میں نقب لگانے کا جرم کر رہے ہیں۔ہمارے خیال میں تو اب اس مقدس گائے کو ذبح کر ہی دینا چاہیے۔

اختلاف نمبر۱۳

نبیذ اور وضوء (ب)

مذکورہ بالا اختلاف تو اس صورت میں ہے جب نبیذ پتلی ہو۔اور اگر نبیذ گاڑھی ہو تو اس صورت میں حنفی مذہب کا کیا فیصلہ ہے؟صاحب ہدایہ سے معلوم کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

((وان اشتدّ فعند ابی حنیفة یجوز التوضی بہٖ لأنہٗ یحلّ شربہٗ عندہٗ وعند محمد لا یتوضأ بہٖ لحرمة شربہٖ عندہ))

(ھدایہ کتاب الطھارات)

''اگر نبیذ (آگ پر پکانے کی وجہ سے) گاڑھی ہو تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضوء جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا پینا بھی حلال ہے۔اور امام محمد کے نزدیک اس سے وضوء جائز نہیں کیونکہ انکے نزدیک اس کا پینا حرام ہے۔''

اللہ اکبر!تو یہ ہیں ائمہ احناف کے'اتفاقی مسائل'جن کے بل بوتے پر دوسروں کو اتباعِ نفس کے طعنے دیے جارہے ہیں۔ایک ہی صورتِ حال میں ایک ہی چیز ایک کے نزدیک حلال اور دوسرے کے نزدیک حرام ہے۔ایک کے نزدیک وضوء جائز اور اس سے نماز صحیح'دوسرے کے نزدیک وضوء ناجائز اور اس سے نماز غلط۔اور''تقلید شخصی'' کے

دیوانے ذہنی وروحانی طور پر امام ابوحنیفہ کے پابند ہونے کے باوجود عملاً اس بات کے پابند نہیں ہیں کہ وہ فقط ابوحنیفہؒ کا ہی فتویٰ قبول کریں بلکہ دیگر مجتہدین کے مذہب پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے۔اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ہزار تاویل کے باوجود امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمل کرنے کی ذرا بھی گنجائش نہ مل سکے۔مگر دعویٰ پھر بھی یہی رہتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی ''تقلید شخصی'' کررہے ہیں۔عوام کے ذہنوں میں اس بدعت کا تقدس اس قدر ٹھونس دیا گیا ہے

کہ ٹھوس وجوہات کی بنا پر ابوحنیفہؒ کا مذہب رد کردینے کے باوجود تقلید شخصی کو ہی نجات دہندہ سمجھنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ہمیں تو اس بات پر بھی تعجب ہے کہ آگ پر پکا کر گاڑھی کی ہوئی نبیذ سے وضوء کا جواز اور اسباغ کیونکر صحیح اور ممکن ہے۔اگر نشہ آور اور اسقدر غلیظ شئی سے وضوء جائز ہے تو پھر احناف کے نزدیک شربت گل بنفشہ سے تو بطریقِ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔کم از کم کلی اور غرغرہ کرتے وقت ''سواد'' تو آئے۔یعنی :ع

ہم خرما و ہم ثواب

اختلاف نمبر۱۴

کلی میں مبالغہ

امام حلبی حنفی منیۃ المصلی کی شرح میں لکھتے ہیں :

((ومن الآداب ان یبالغ فی المضمضۃ والاستنشاق وقال فی الکفایۃ و المبالغۃ فیھا سنۃ لکن الظا ھر انھا مستحبۃ))

(کبیری ص ۳۲)

''اور وضوء کے آداب میں سے ہے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔اور صاحب کفایہ نے کہا کہ کلی میں مبالغہ کرنا سنت ہے۔لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ مبالغہ مستحب ہے۔''

❀ یعنی ''منیۃ المصلی کے مصنف نے کلی میں مبالغہ کرنے کو وضوء کا ادب کہا' صاحب کفایہ (حنفی) نے سنت قرار دیا اور امام حلبی نے مستحب ٹھہرایا۔ آراء واہواء کی اس بے لگام دوڑ میں کون جیتا اور کون ہارا' اس کا صحیح علم تو مقلدین کو ہوگا البتہ جب تک قارئین مبالغے کی حقیقی حیثیت سے واقف ہوں (اگر ممکن ہو سکے تو۔) اتنے میں ہم انکی خدمت میں ''مبالغے'' کی کیفیت پیش کر دیتے ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ کیفیت بھی ائمہ احناف کے اختلاف کی زد سے نہیں بچ سکی۔

اختلاف نمبر ۱۵

مبالغہ کیا ہے

((والمبالغة فی المضمضة قال بعضهم و هو شیخ الاسلام خواهر زاده هی الغرغرة وهی تردید المآء فی الحلق و قال شمس الأئمة ا لحلوائی ا لمبالغة فی المضمضة اخراج المآء من جا نب الیٰ جا نب و قال صدر الشهید هی تکثیر المآء حتی یملأ الفم والاول اشهر و قال فی الخلاصة...... والمبالغة فیها ان یصل المآء الی راس حلقه)) (کبیری ص ۳۲ و ۳۳)

''مشائخ احناف میں سے بعض یعنی شیخ الاسلام خواہرزادہ نے کہا کہ کلی میں مبالغہ کرنے کا مطلب ہے غرغرہ کرنا۔ اور غرغرہ حلق میں پانی پھرانے کو کہتے ہیں۔ اور شمس الأئمہ حلوائی نے کہا کلی میں مبالغہ کرنے کا مطلب ہے پانی کو ایک طرف سے دوسری طرف نکال دینا۔ اور شیخ صدر الشہید نے کہا کہ مبالغہ کا مطلب ہے منہ میں زیادہ پانی ڈالنا حتی کہ منہ بھر جائے۔ اور شیخ طاہر بن احمد صاحبِ خلاصہ نے کہا کہ کلی میں مبالغہ کرنے کا مطلب ہے پانی کو حلق کے

سرے تک پہنچا دینا۔“

تو یہ ہے وہ ”مبالغہ“ جس کے ذریعے وضوء کرنے والے نے ”سنت“ یا ”مستحب“ وغیرہ کی ادائیگی سے سبکدوش ہونا ہے۔ یعنی اول تو یہی معلوم نہیں کہ کلی میں مبالغہ کرنا سنت ہے یا مستحب۔ اور اگر کوئی مقلد اپنی سمجھ سے اسے سنت یا مستحب میں سے کوئی ایک درجہ دے ہی دے تو اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ مبالغہ دراصل ہے کیا چیز۔ اگر اس بات کو ”مبالغہ“ نہ سمجھا جائے تو بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اتباعِ نفس کا جتنا سامان مشائخ احناف نے مہیا کر دیا ہے اس کے ہوتے ہوئے سنت یا شریعتِ محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا میسر آ جانا صرف مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ ع

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

اختلاف نمبر ۱۶

وضوء اور انگوٹھی

صاحب منیۃ المصلی فرماتے ہیں:

((ومن الآداب ان یحرك خاتمهٗ ان كان واسعاً و ان كان ضیقاً ففی ظاهر الروایة لا بد من تحریكه اونزعه ذكر فی المحیط)) (منیه مع غنیه ص ۳۳)

”اور وضوء کے آداب میں سے ہے کہ انگوٹھی اگر کھلی ہو تو اسے انگلی میں حرکت دی جائے اور اگر تنگ ہو تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اسکو حرکت دینا یا اتار دینا لازم ہے۔ (شمس الأئمہ سرخسی کی) محیط میں اسی طرح ہے۔“

مگر امام حلبی ”منیہ“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

((واحترز بظاهر الروایة عن ماروی الحسن عن ابی حنیفة و ابو سلیمان عن ابی یوسف و محمد انه یجوز و ان لم یحركه)) (کبیری ص ۳۳)

"صاحبِ محیط نے ظاہر الروایت کی وجہ سے اس روایت سے احتراز کیا ہے (یعنی اسے نقل نہیں کیا) جو حسن بن زیاد (تلمیذِ ابو حنیفہؒ) نے امام ابوحنیفہؒ سے اور ابوسلیمان نے ابو یوسفؒ و محمدؒ سے روایت کی ہے کہ وضوء جائز ہے خواہ انگوٹھی کو حرکت نہ بھی دے۔"

یعنی ظاہر الروایۃ میں تو ان تینوں کا مذہب یہ لکھا ہے کہ اگر انگوٹھی تنگ ہو تو اسکو حرکت دینا یا بالکل اتار دینا لابدی اور ضروری ہے۔ مگر امام حسن کی روایت کے مطابق ابوحنیفہؒ اور ابوسلیمان کی روایت کے مطابق صاحبینؒ کا بھی یہ مسلک ہے کہ اگر تنگ انگوٹھی کو اتارنا تو درکنار حرکت بھی نہ دیجائے تو وضوء جائز ہے۔

☆ ظاہر الروایۃ اس مسئلے یا روایت کو کہا جاتا ہے جو امام محمد کی کتابوں میں موجود ہو۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں: جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ کتاب السیر صغیر۔ کتاب السیر کبیر۔ مبسوط۔ زیادات۔

یہ کل چھ کتابیں ہیں جن کے مسائل کو ظاہر الروایۃ ٗظاہر المذہب اور روایت اصول کہا جاتا ہے۔ (ردالمختار ص ۵۱)

ہمیں اس مقام پر سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہنا کہ اگر امام ابوحنیفہؒ نے واقعی تدوین فقہ کیلیے کسی مجلس وغیرہ کا انعقاد فرمایا تھا جس میں مہینوں ایک ہی مسئلے پر بحث ہونے کے بعد اور اتفاقی طور پر قبول ہو جانے کے بعد لکھوایا جاتا تھا تو امام صاحب کے اصحاب اور شاگردوں میں روایات اور مسائل کا اسقدر اختلاف کیوں پایا جاتا ہے؟۔ ظاہر ہے اس مجلس میں بقولِ احناف امام ابوحنیفہ کے شاگرد حسن بن زیاد بھی ضرور موجود ہوتے تھے پھر انکی روایات اور مسائل کو "ظاہر الروایۃ" سے کیوں خارج سمجھا گیا ہے؟۔

☆ علامہ ابن عابدین شامی اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مرتب مولانا ظفیر الدین کے بقول تو جن علماء کی مجلس میں استنباط و استخراج مسائل کا یہ "مہتم بالشان" کام انجام پایا' انکی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی۔ اور ہر عالم پیش آمدہ مسئلہ پر بحث کرتا اور اپنی رائے دیتا' دوسرے اس پر مختلف پہلو سے

اعتراض اور اشکالات پیدا کرتے۔خود امام ابوحنیفہ بھی اس بحث و مباحثہ میں حصہ لیتے۔اور ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث جاری رہتی‘ جب ہر پہلو سے اطمینان کرلیا جاتا۔تو اسے جچے تلے الفاظ میں درج رجسٹر کیا جاتا۔انتہی ملخصاً۔

(فتاوی دارالعلوم دیو بند ص ۵۷ و ۵۸ ج اول ورد المختار ج اول ص ۴۹ و ۵۰)

اللہ شاہد ہے جب احناف کی طرف سے اس قسم کے دعوے سامنے آتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی بیوہ عورت سرِ بازار بال کھولے بین کر رہی ہو۔لکڑی کے ستون کو خالص سونا ثابت کرنا تو کوئی انہی سے سیکھے۔ایک ''مجلس'' بھی تیار کرلی گئی اور اس میں بحث کرنے والے علماء بھی‘ایک ایک مسئلہ پر مہینوں تک مغزماری ہوتی رہی‘ بحثیں ہوئیں‘ دلائل کا تبادلہ ہوا‘ تب جا کر وہ مسئلہ کہیں درجِ رجسٹر ہو سکا۔مگر بدقسمتی کی انتہا تو یہ ہے کہ اب وہی کم بخت رجسٹر ہی نہیں مل رہا پتہ نہیں اسے زمین کھا گئی یا آسمان۔ہوسکتا ہے روافض کے قرآن کی مثل یہ رجسٹر بھی کسی حنفی ''امام غائب'' کے ہتھے چڑھ گیا ہو اور ''منتظر مہدی'' کی طرح عراقی مشائخ نے اسے بھی کسی غار میں چھپا دیا ہو۔اب احناف کے ذمے سب سے پہلا کام یہی ہے کہ وہ اس قدیمی اور ''متبرک'' رجسٹر کو تلاش کریں تا کہ موجودہ غیر مستند ذخیرہ اقوال سے گلوخلاصی ہو سکے۔

اختلاف نمبر۱۷

وضوء اور نجس پانی

((الغدیر العظیم الذی لایتحرک احد طرفیه بتحریک الآخر اذا وقعت نجاسة فی احد جانبیه جاز الوضوء من الجانب الآخر ......ثم عن ابیحنیفة ؒ انه یعتبر التحریک بالاغتسال وهو قول ابی یوسف و عنه بالتحریک بالید وعن محمد بالتوضی)) (ہدایہ کتاب الطہارات و کبیری ص ۹۵)

''وہ بڑا حوض جس کے پانی کو ایک طرف سے حرکت دینے سے دوسرے

کنارے کا پانی حرکت نہ کرے' ایسے حوض میں اگر ایک کنارے کی طرف سے نجاست پڑ جائے تو اسکے دوسرے کنارے سے وضوء کرنا جائز ہے۔(رہی یہ بات کہ تحریک کس قسم کی ہو تو) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غسل کے ساتھ حرکت دینا معتبر ہے اور ابو یوسف کا ایک قول یہی ہے۔اور ابو حنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت دینا معتبر ہے۔اور امام محمد کے نزدیک وضوء سے حرکت دینا معتبر ہے۔''

یہاں پانی کی نجاست و عدمِ نجاست اور اس سے وضوء کے جواز و عدم جواز کے بارے میں ائمہ احناف کے تین مذہب ہیں۔پانی کے حوض کو جتنی حرکت غسل کے ذریعے ملتی ہے' ظاہر ہے اتنی حرکت وضوء کے ذریعے نہیں مل سکتی۔اور پانی کو جسقدر حرکت وضوء کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اتنی حرکت محض ہاتھ ڈالنے سے نہیں حاصل ہو سکتی۔اتنی بات سمجھ لینے کے بعد اب یہ سمجھنا مشکل نہیں رہا کہ جو پانی ابویوسفؒ کے نزدیک پاک اور اس سے وضوء جائز ہے' اس پانی کے ساتھ امام محمدؒ کے نزدیک وضوء جائز نہیں۔اور جس پانی سے امام محمدؒ کے نزدیک وضوء جائز ہے اس پانی سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضوء جائز نہیں۔

یہ ہے تدوینِ فقہ کی متحدہ مجلس کا وہ کارنامہ جسکی بشارت صدیوں بعد شبلی نعمانیؒ اور علامہ شامیؒ کو شاید بذریعہ خواب سنائی گئی تھی۔مگر اب مشکل تو یہ ہے کہ تقلید شخصی کی تعریف کے مطابق تو مقلد کو ''ہر مسئلے میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔'' اور ایسی صورتِ حال میں اسے ''ایک ہی عالم'' کی طرف رجوع کرنے کا ہوش ہی کہاں رہ سکتا ہے۔ قربان جایئے متأخرین مقلدین پر! کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ''تقلید شخصی'' کی گردن پر چھری پھیر کر ایک نئی راہ اپنالی ہے۔☆ امام حلبیؒ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

((وعامة المتأخرين سهلوا الامرو اختار واما اختاره ابو سليمان الجوز جاني الخ)) (کبیری ص ۹۵)

''اور عامہ متاخرین نے معاملہ آسان کردیا ہے اور انہوں نے وہ قول اختیار کیا ہے جسے ابوسلیمان جوز جانیؒ (امام محمدؒ کے شاگرد) نے اختیار کیا ہے۔''

لیجیے! ''تقلید شخصی'' کی بھی چھٹی اور متقدمین ائمہ احناف کے فتوے بھی بر طرف۔تفنن برطرف مگر حقیقت یہ ہے کہ فقہ حنفی سے مسئلہ معلوم کرنا ایسے ہی ہے جیسے بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنا۔اگر یقین نہ آئے تو مزید پڑھیے۔

اختلاف نمبر ۱۸

دہ دردہ حوض

جس معاملے کو متاخرین نے آسان بنایا ہے وہ بھی سن لیں:

((وھو ما ذکرہ المصنف بقولہٖ الحوض اذا کان عشراً فی عشر ای طولہ عشرۃ اذرع و عرضہ کذالك فیکون وجہ الماء مأۃ ذراع و جوا نبہ اربعین ذراعاً ان کان مربعاً اما ان کان مدوّراً فالأکثرون اعتبرواجوا نبہ ثما نیۃ و اربعین و قال ابن الھمام و المختار ستۃ و اربعون و فی الملتقط یعتبر ستۃ وثلاثین و ھو الاصح ......و اما العمق فالمختار مالا تنحسر ارضہ بالغرف رواہ ابویوسف عن ابی حنیفۃ وقیل ان لا تصیب ید المغترف الارض و قیل قدر اربع اصابع مفتوحۃ والمعتبر فی ا لذراع ذراع الکرباس و ھو سبع قبضات فقط وھو اختیار الامام اسحاق بن ابی بکرا لولوالجیؒ فی فتاواہ لأنہ اقصر فیکون ایسرو ا ختیار قا ضیخان فی فتاواہ ذراع المساحۃ و ھو سبع قبضات باصبع قا ئمۃ فی القبضۃ الأخیرۃ و قیل فی کل قبضۃ ......و فی المحیط والاصح ان یعتبر فی کل زمان و مکان ذراعھم و تبعہ صاحب الکافی

وغیرہ و ھذا عجیب و بعید جدا)) (کبیری ص۹۵ و ۹۶)

''یعنی جوزجانی کا اختیار کردہ مذہب وہ ہے جسے مصنف نے بیان کیا ہے کہ حوض اگر دس در دس ہو یعنی طول و عرض میں دس دس گز ہو تو اسکے اندر کا سارا پانی سَو گز ہو گا اور اگر وہ حوض مربع شکل میں ہے تو اسکے کنارے چاروں طرف سے کل چالیس گز ہوں گے۔ اور اگر وہ حوض مدوّر (یعنی گول) شکل میں ہو تو اکثر (مشائخ نے اسکے کناروں کا اڑتالیس گز ہونا معتبر سمجھا ہے اور امام ابن الہمام نے کہا کہ مختار چھیالیس گز ہیں۔ اور ''ملتقط'' میں ہے کہ چھتیس گز کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور یہی اصح ہے۔ اور حوض کی گہرائی میں مختار یہ ہے کہ اتنا گہرا ہو کہ چلو بھرنے سے حوض کی سطح ننگی نہ ہو جائے۔ اسکو روایت کیا ہے ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ چلو بھرنے والے کا ہاتھ زمین کو نہ چھوئے۔ اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ حوض کی گہرائی چار کھلی ہوئی انگلیوں کی مقدار کے برابر ہونی چاہیے۔''

(اب رہا گز کی مقدار کا ''معاملہ تو) گز میں ذراع الکرباس (کپڑے کا گز) معتبر ہے اور وہ فقط سات مٹھیاں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام ولوالجیؒ (حنفی) نے اپنے فتاویٰ میں۔ کیونکہ یہ زیادہ چھوٹا اور زیادہ آسان ہے۔ اور قاضیخان نے اپنے فتاویٰ میں ذراع المساحۃ کو معتبر قرار دیا ہے۔ اور وہ سات مٹھیاں اس طرح ہے کہ آخری مٹھی میں ایک انگلی کھڑی ہونی چاہیے (یعنی ایک انگلی کی مقدار کم ہو) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر مٹھی میں ایک انگلی کھڑی ہونی چاہیے۔ اور شمس الأئمہ سرخسی کی ''محیط'' میں ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انہی لوگوں کا اپنا گز معتبر ہوگا۔ اسی قول کی اتباع کی ہے صاحب الکافی حاکم شہیدؒ اور انکے علاوہ دیگر مشائخ نے لیکن یہ قول بہت ہی عجیب اور (حق سے) بعید ہے۔

یعنی دس در دس حوض کی پیمائش اور مقدار کے مسئلے میں متاخرین میں بھی تین قسم

کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ اگر حوض مدوّر شکل میں ہو تو اسکے کناروں کا قطر کتنے گز کا ہونا چاہیے۔ اکثر مشائخ کے نزدیک ۴۸ گز کا اعتبار ہے۔ امام ابن الہمام کے نزدیک ۴۶ گز مختار مذہب ہے۔ اور صاحبِ ملتقط کے نزدیک ۳۶ گز معتبر ہیں اور اسے ''اصح'' کہا گیا ہے۔

دوسرا اختلاف حوض کی گہرائی سے متعلق ہے۔ ایک قول کے مطابق حوض کی اتنی گہرائی ہو کہ چُلّو بھرنے سے نیچے زمین خالی نہ ہو جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اتنی گہرائی ہو کہ چُلّو بھرنے والے کا ہاتھ نیچے زمین سے نہ ٹکرائے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ چار کھلی ہوئی انگلیوں کی مقدار گہرائی ہو۔

تیسرا اختلاف گز کی لمبائی کے بارے میں ہے کہ کتنا لمبا ہونا چاہیے۔ امام ولوالجی کا مذہب یہ ہے کہ صرف سات مٹھیوں کا گز ہونا چاہیے۔ قاضیخان کے مذہب میں سات مٹھیوں میں سے آخری مٹھی کے وقت ایک انگلی کھڑی ہونی چاہیے اور ایک قول میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر مٹھی میں ایک انگلی کھڑی ہونی چاہیے۔ اور سرخسی نے ''محیط'' میں لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ جس دَور میں اور جس مقام پر یہ مسئلہ پیدا ہوا نہی لوگوں کے گز کا اعتبار کیا جائیگا۔

یہ اختلافات بظاہر تو تین نظر آ رہے ہیں مگر حقیقت میں یہ نَو اختلافات ہیں۔ کیونکہ ہر اختلاف میں تین تین اختلاف موجود ہیں اسطرح یہ کل نَو اختلافات ہوئے۔ گویا اسطرح متأخرین مشائخِ احناف نے تسہیل الأمر کا نسخہ استعمال کرتے ہوئے مسئلے کو مزید ''آسان'' اور قابل العمل بنا دیا ہے۔ قارئین بجا طور پر یہ توقع رکھتے ہونگے کہ متقدمین اگر کسی ایک مذہب پر متفق نہیں ہو سکے اور ان سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا تو چلو متأخرین کوئی متفق علیہ حل پیش کر دیں گے اور اسطرح فقہ حنفی کے دامن سے ''اختلاف'' کا دھبہ مٹ جائیگا۔ مگر افسوس کہ دوسروں کو ''آپس میں مختلف'' ہونے کا طعنہ دینے والے یہ بھول گئے تھے کہ وہ خود ''آپس میں'' کس قدر دست بگریباں ہیں۔

اختلاف نمبر ۱۹

دہ در دہ حوض میں نجاست

صاحبِ منیہ لکھتے ہیں:

((اذا کان الحوض عشراً فی عشر فهو کبیر لا یتنجس بوقوع النجاسة مطلقاً اذا لم یُرلها اثر اذا کانت النجاسة مرئیة و بعضهم قالوا یتنجس ماحول النجاسة مقدار حوض صغیر و بعض مشائخ بخاریٰ و بلخ جعلوه کالجاری و توسعوا فیه لعموم البلویٰ ....و اذا لم تکن النجاسة مرئیة یجوز مطلقاً علیٰ اختیار علماء بخاریٰ و بلخ للبلویٰ خلافا لمشائخ العراق))

(منیه مع غنیه ص۹۶و ۹۷)

''جب حوض دہ در دہ ہو پس وہ حوض کبیر ہے۔وہ نجاست پڑ جانے سے مطلقاً نجس نہیں ہوگا (یعنی نہ نجاست والی جگہ سے اور نہ ہی باقی جگہ سے) جب نجاست کا اثر دکھائی نہ دے۔جبکہ نجاست مرئیہ (یعنی نظر آنے والی جیسے پاخانہ وغیرہ) ہو۔اور بعض مشائخ نے کہا کہ نجاست کے اردگرد ایک چھوٹے حوض کی مقدار سے پانی نجس ہو جائیگا۔اور بلخ و بخاریٰ کے بعض مشائخ نے جاری پانی کی مثل قرار دیا۔اور عمومِ بلویٰ کی وجہ سے اس مسئلہ میں وسعت کردی ہے۔اور اگر نجاست مرئیہ نہ ہو (بلکہ غیر مرئیہ ہو) تو بلخ و بخاریٰ کے علماء کے مذہب میں مطلقاً (ہر حال میں) وضوء جائز ہے مشائخِ عراق کے خلاف۔''

مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ دونوں میں اختلاف ہے۔صاحبِ منیہ کے بقول اگر نجاست مرئیہ گر جائے تو جب تک نجاست کا اثر یعنی رنگ بو اور ذائقہ

کی تبدیلی محسوس نہ ہو' مطلقاً یعنی مقامِ نجاست والے پانی سمیت سارا پانی پاک ہی ہوگا نجس نہیں ہوگا۔مگر بعض مشائخِ احناف کے نزدیک مقامِ نجاست کے ارد گرد ایک چھوٹے حوض جتنی مقدار پانی پاک نہیں ہوگا بلکہ نجس ہوگا۔اسی طرح بلخ و بخاریٰ کے مشائخ احناف میں بھی اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ یہ حوض جاری پانی کی طرح ہے لہذا کسی صورت نجس نہیں ہوگا۔اور بعض نے جاری پانی کی مثل نہیں قرار دیا۔اور اگر نجاست غیر مرئیہ جیسے پیشاب وغیرہ پڑ جائے تو بلخ و بخاریٰ کے مشائخ کے نزدیک پانی پاک ہے اس سے ہر حال میں وضوء جائز ہے۔مگر مشائخِ عراق کے نزدیک جائز نہیں ہے۔اب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس قسم کے فتووں کی موجودگی میں کسی کو کامل یقین کے ساتھ وضوء نصیب ہوتا بھی ہے یا نہیں

اختلاف نمبر۲۰

حوض اور جنبی

((ولو ادخل ا لجنب او المحدث یده فی حوض الحمام لطلب القصعة ای بلا نیّة رفع الحد ث و لیس علیٰ یدهٖ نجاسة حقیقیّة یتنجس ماء الحوض عند ابی حنیفةؒ ......و عندهما الماء طا هر و مطهّر)) (کبیری للحلبی ص۱۰۱)

''اگر جنبی یا بے وضوء آدمی نے پیالہ نکالنے کیلیے اپنا ہاتھ حمام کے حوض میں ڈالا یعنی طہارت حاصل کرنے کی نیت کے بغیر' اور اسکے ہاتھ پر نجاس حقیقی نہیں لگی ہوئی تھی تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانی پلید ہوجائیگا۔اور صاحبین کے نزدیک وہ پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے۔''

☆ یہاں تو یہ حال ہے اور ادھر ''مخلصین'' تابعداروں نے تدوینِ فقہ کے لیے بزمِ اتحاد کی مجلسیں بھی منعقد کروا رکھی ہیں۔فتاویٰ دار العلوم کے مرتب تو یہاں تک فرما گئے ہیں کہ ایسی مجلس کے ہوتے ہوئے مسائل میں غلطی کا سوال ہی

پیدا نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں:

''خود سوچیے! اگر تنہا کسی ایک کی بات ہوتی تو غلطی کا احتمال تھا۔ مگر یہاں چالیس چالیس جیّد ماہرِ فن علماء ہوں اور پوری سنجیدگی اور دیانت داری سے ہفتوں اور مہینوں تک ایک ایک اصل پر کتاب اللہ، سنّتِ رسول اللہ اور اقوالِ صحابہؓ کی روشنی میں بحث و تمحیص ہو، غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔''

(مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل ص ۵۹)

خود سوچیے! یہ دعویٰ اول تا آخر جھوٹا اور بے بنیاد ہے یا نہیں؟۔ ایک ایک لفظ سے خدا خوفی اور دیانت داری کا خون ٹپک رہا ہے۔ تحقیق و جستجو کو شجرِ ممنوعہ سمجھ کر جس طرح ''تقلید شخصی'' کی آبیاری کی گئی ہے، بے جا مسلکی حمیّت اور گروہی تعصب کی اس سے بہتر مثال قبل از نبوّت کے دَور میں بھی نہیں ملے گی۔ ''اندھوں'' سے شکوہ نہیں ہے مگر آنکھوں والے تو دیکھ اور جانچ رہے ہیں کہ اس قسم کی لن ترانیوں میں کتنے فیصد صداقت موجود ہے۔ محترم مرتب صاحب فقہ حنفی کے تقدس میں اسقدر کھوئے ہیں کہ ''رسول اللہ'' کے ساتھ ﷺ لکھنے کی بھی مہلت نہیں ملی۔

اختلاف نمبر ۲۱

استنجاء کا طریقہ

مترجمِ ہدایہ سیّد امیر علی حنفی لکھتے ہیں:

''امامؒ کے نزدیک اول پیخانہ کا مقام پھر پیشاب گاہ دھووے۔ اور صاحبین کے نزدیک بالعکس (یعنی پہلے پیشاب گاہ پھر مقامِ پاخانہ دھووے) اور اسی کو غزنویؒ نے لیا اور یہی اشبہ ہے۔ شرح المنیہ لأ میر الحاج۔''

(عین الہدایہ ص ۲۴۴ ج ۱)

حیرت ہے غزنوی صاحب نے کس طرح ''اسی کو'' لے لیا ہے۔ اور منیہ کے شارح امیر الحاج نے کس طرح صاحبین کے مذہب کو اشبہ قرار دیا ہے۔ جبکہ جس

امام(ابوحنیفہؒ) کی ''تقلید شخصی'' کے وجوب کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے'اس کا مذہب تو صاحبین کے مذہب کے بالکل الٹ ہے۔کیا یہاں ''تقلید شخصی'' کارخ بدل گیا ہے؟۔

اختلاف نمبر۲۲

استنجاء اور مشائخ

''نہر کے کنارے استنجاء کرنا مشائخِ بخاریٰ کے نزدیک جائز اور مشائخ عراق کے نزدیک نہیں۔'' (عین الہدایہ۲۵۱ج۱)

اختلاف نمبر۲۳

استنجاء کی اقسام

''مبسوط الشیخ الاسلام میں ہے کہ استنجاء دوقسم کا ہے پہلی قسم پتھر وڈھیلے سے اور دوسری پانی سے۔پس قسمِ اول سنت ہے کیونکہ اسپر آنخضرت ﷺ وصحابہ رضی اللہ عنہم کی مواظبت ہے اور اسکے پیچھے پانی سے کبھی استنجاء کیا اور کبھی نہیں کیا تو وہ ادب ہے۔مع۔اور عینیؒ کا میلان قسمِ اول کے وجوب کی طرف ہے اور حق یہ ہے کہ سنت مؤکدہ قریب بوجوب ہے۔'' (عین الہدایہ ص۲۴۳ج۱)

یعنی استنجاء کے مسئلہ میں علماء ومشائخِ احناف کے تین مذہب ہیں۔

① مبسوط (یہ امام محمد کی کتاب ہے۔اسکے متعدد نسخے ہیں ایک نسخہ شیخ الاسلام ابوبکر معروف بخواہرزادہ کا ہے۔اسکو مبسوط شیخ الاسلام ومبسوط کبریٰ کہتے ہیں) اس میں لکھا ہے کہ پتھر سے استنجاء کرنا سنت ہے (مطلقاً)۔

② امام عینیؒ حنفی کے نزدیک پتھر سے استنجاء کرنا واجب ہے

③ صاحبِ عین الہدایہ کے نزدیک حق یہ ہے کہ پتھر سے استنجاء کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

تو بے چارہ مقلد مارا گیا! جسے ''ناقص'' ''بے تمیز'' ''عامی'' اور ''لا مذہب'' بھی

کہ دیا جاتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے: ع:۔

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اور لطف تو یہ ہے کہ یہ "سزا" بھی غیروں سے نہیں، اپنوں سے ملی ہے۔

اختلاف نمبر ۲۴

استنجاء کی مقدار

((ثم یعتبر المقدار المانع ورآء موضع الاستنجاء عند ابی حنیفة و ابی یوسف لسقوط اعتبار ذالك الموضع و عند محمد مع موضع الاستنجاء اعتباراً بسائر المواضع)) (هدایه کتاب الطهارات)و (شرح وقایه ص ۱۴۴)

"پھر وہ مقدار جو مانع نماز ہے، وہ ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ کے نزدیک مقامِ استنجاء کی نجاست کے علاوہ ایک درہم سے زائد ہو تو معتبر ہے۔ کیونکہ مقامِ استنجاء کا اعتبار تو ساقط ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مقامِ استنجاء کو ملا کر اگر ایک درہم سے زائد ہو تو مانع نماز ہے بر قیاس دیگر مواضع کے۔"

صاف ظاہر ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ و ابویوسف کا مذہب اختیار کیا جائے تو امام محمد کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔ اسکے ساتھ ساتھ ایک اور اختلاف بھی پیش خدمت ہے۔

☆ صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

"اگر قدرِ درہم سے زائد نجاست مع راہِ پاخانہ یا پیشاب کے مل کر ہو تو شیخین (ابوحنیفہ و ابویوسف) کے نزدیک پتھر جائز اور امام محمد کے نزدیک نہیں بلکہ صرف پانی جائز ہے۔ ع۔ اور قولِ امام محمد احوط ہے۔" (عین الہدایہ ج ۱ ص ۲۴۸)

یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ جس استنجاء سے شیخین کے نزدیک وضوء و نماز جائز ہے اس سے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں۔ مگر مزید "ظلم" یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر امام محمدؒ کے قول کو ترجیح دے دی گئی ہے۔

نوٹ: عین الہدایہ کی عبارات میں موجود لفظ ''مع'' سے ملخص عینی مراد ہے اور ''ع'' سے مرادشرح شیخ الاسلام عینیؒ ہے۔

اختلاف نمبر ۲۵

خروجِ منی اور غسل

((وان اغتسل قبل ان یبول ثم خرج بقیة المنی یجب الغسل ثانیاً عندھما لا عندہ)) (شرح وقایہ ص۸۱)

''اگر پیشاب کرنے سے قبل غسل کرلیا پھر باقی منی خارج ہوئی تو طرفین (ابوحنیفہ ومحمد) کے نزدیک دوبارہ غسل کرنا واجب ہے۔امام ابویوسفؒ کے نزدیک دوبارہ غسل کرنا واجب نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۲۶

خروج بلاشہوت اور غسل

((ثم المعتبر عند ابی حنیفة و محمد انفصالہٗ عن مکانہٖ علیٰ وجه الشهوة و عند ابی یوسف ظهورہٗ ایضاً))

(ھدایہ کتاب الطھارات)

''پھر انزال بالشہوت میں امام ابوحنیفہؒ ومحمدؒ کے نزدیک منی کا اپنے ٹھکانے سے بطریقِ شہوت جدا ہونا معتبر ہے (اگرچہ خروج کے وقت شہوت نہ ہو)۔اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک انفصال کے ساتھ منی کا ظہور بھی بوجہ شہوت ہونا چاہیے۔یعنی خروج کے وقت بھی شہوت کا پایا جانا غسل واجب ہونے کیلیے شرطِ معتبر ہے۔''

احناف کے ائمہ ثلاثہ کے اس اختلاف پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں

☆ازانجملہ یہ کہ کسی عورت کی طرف شہوت سے دیکھا کہ منی اپنے مقام سے زائل ہوئی یا ہاتھ سے مشت زنی کی یا بیوی سے سوائے فرج کے جماع کیا یا احتلام ہوا مگر فوراً اس

نے اپنے ذکر کا سرا پکڑ لیا یہاں تک کہ اسکی شہوت ٹھنڈی ہو گئی پھر چھوڑ دیا۔ پس منی بلا شہوت نکلی تو ان دونوں کے نزدیک غسل واجب اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان تمام صورتوں میں غسل واجب نہیں ہے۔ (عین الہدایہ ج ا ص ۶۹ و کبیری ص ۳۹ و شرح وقایہ ص ۸۱)

اب ''مزا'' آیا انعقادِ مجلس کی داستانیں گھڑنے کا! ایک ایک مسئلے پر ''بحث و تمحیص'' مہینوں تک ہوتی رہی، دلائل کا تبادلہ ہوتا رہا اور مناظروں کے بادل گرجتے رہے مگر استنجاء اور غسل جیسے مسائل پر بھی اتفاق نہ ہو سکا۔ ریت کے اس محل کی حسرت ناک بربادی کا مزید نظارہ کرنے کی ہمت ہو تو کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ چشمِ بینا ساتھ دے رہی ہو تو آیئے! نصیحت و عبرت کا کافی سامان موجود ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار!

میرے چپ رہنے کی عادت جس کیلیے بدنام ہوئی
اب وہ حکایت عام ہوئی ہے پڑھتا جا شرماتا جا

اختلاف نمبر ۲۷

احتلام اور غسل

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''اگر اس نے تری دیکھی لیکن اسکو احتلام یاد نہیں ...... اگر یہ شک پڑا کہ یہ مذی ہے یا منی ہے تو امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ غسل واجب نہیں جب تک کہ اسکو احتلام یاد نہ آوے اور امام اعظمؒ و امام محمدؒ نے کہا کہ غسل واجب ہے۔'' (عین الہدایہ ص ۷۰)

اختلاف نمبر ۲۸

مذی اور غسل

((وغیبة حشفة فی قبل او دبر علیٰ الفاعل و المفعول بهٖ و

رؤیة المستیقظ المنی او المذی و ان لم یحتلم اما فی المنی فظاهر و اما فی المذی فلاحتمال کونه منیاً رَقَّ بحرارة البدن و فیه خلاف ابی یوسف)) (شرح وقایہ ص ۸۲)

''اور غائب ہو جانا حشفہ کا قُبل یا دُبر میں' فاعل و مفعول دونوں پر (غسل واجب کرتا ہے) اور دیکھنا جاگنے والے کا منی یا مذی کو (غسل واجب کرتا ہے) اگرچہ اسے احتلام نہ آیا ہو۔ پس منی میں تو ظاہر ہے۔ لیکن مذی میں اسلیے غسل واجب ہے کہ ہوسکتا ہے منی ہو مگر حرارتِ بدن کی وجہ سے پتلی ہو گئی ہو۔ اور اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔''

پہلے مسئلے میں منی یا مذی ہونے میں شک کی صورت میں ''حل'' بتلایا گیا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اگر جاگنے والے کو احتلام نہ آیا ہو اور یہ معلوم ہو کہ یہ مذی ہے' تو اس صورت میں بھی ائمہ احناف کا اختلاف ہے۔ طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے۔

دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھنے والے یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ انکی اپنی آنکھ میں پورا شہتیر موجود ہے۔

اختلاف نمبر ۲۹

غسل میں کلی کا پانی پی جانا

سیّد امیر علی حنفی مترجم ہدایہ لکھتے ہیں:

''اگر پانی کو منہ بھر گھونٹ سے پی گیا تو مضمضہ کافی ہو گیا اور چُوس کر کافی نہیں۔ اور پانی منہ میں پھرا کر باہر پھینکنا اصح قول کے مطابق بنا بر کی بجائے ابو یوسف کے خلاف۔'' (عین الہدایہ ص ۵۹)

یعنی اس محاذ پر بھی ابو یوسفؒ اکیلے رہ گئے ہیں۔ انکے نزدیک اگر غسل کرنے لے نے کلی کرتے ہوئے منہ میں پانی لیکر باہر نہیں پھینکا تو غسل صحیح نہیں ہوا کیونکہ

انکے نزدیک پانی باہر پھینکنا شرط ہے۔اور طرفین کے نزدیک اگر منہ بھر کر پانی پی گیا تو غسل صحیح ہو گیا کیونکہ انکے نزدیک پانی باہر پھینکنا شرط نہیں ہے۔

اب ''خود سوچیے'' ! کہ جس غسل کے ساتھ طرفین کے نزدیک نماز پڑھنا جائز ہے' ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ غسل ہی صحیح نہیں تو اسکے ساتھ پڑھی جانے والی نمازیں کس طرح صحیح ہو سکتی ہیں؟۔

اختلاف نمبر ۳۰

بے ختنہ شخص کا غسل

((ویجب علیٰ الا قلف ادخال المآء داخل القلفة و عند البعض لا یجب ایصال المآء الیها فی الغسل)) (شرح وقایہ ص ۷۹)

''بے ختنہ بے ختنہ شخص پر غسلِ جنابت کرتے ہوئے قلفہ کے اندر پانی داخل کرنا واجب ہے اور بعض ائمہ و مشائخ کے نزدیک غسل کرتے ہوئے قلفہ میں پانی داخل کرنا واجب نہیں ہے۔''

بے ختنہ شخص یقیناً کوئی مجبور یا مریض یا پھر شرع سے بالکل ہی ناواقف شخص ہو سکتا ہے۔مگر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس کا غسل بھی مشکوک بنا دیا گیا ہے۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اختلاف نمبر ۳۱

ماءِ مستعمل

فقہ حنفی کی زبان میں ''ماءِ مستعمل'' کس پانی کو کہا جاتا ہے' یہ فقہ حنفی سے ہی معلوم کرتے ہیں:

((والمآء المستعمل هو ما ازيل به حدث او استعمل فى البدن علىٰ وجه القربة قال و هذا عند ابى يوسفؒ و قيل هو قول ابى حنيفةايضاً وقال محمدؒ لا يصير مستعملاً الا باقامة القربة)) (ھدایہ کتاب الطہارات)

''اور ماء مستعمل وہ پانی ہے کہ جس سے کوئی حدث دور کیا گیا ہو یعنی نجاست حکمیہ یا وہ بدن میں بطور تقریب استعمال کیا گیا ہو۔ امام مصنف نے کہا کہ یہ ابو یوسف کے نزدیک ہے اور کہا گیا کہ یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی قول ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ پانی ''مستعمل'' نہ ہوگا مگر تقرب پورا کرنے سے۔''

حاصل اس اختلاف کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک زوالِ حدث (حکمی نجاست شرعیہ کا دور کرنا ہے۔ جو بے وضوء کے اعضاء پر اور جنب کے بدن پر ہوتی ہے' اور تقرب (یعنی حصولِ ثواب کی نیت) دونوں میں سے ہر ایک پانی کو ''مستعمل'' بنانے میں مؤثر و معتبر ہے۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک فقط تقرب کی وجہ سے پانی ''مستعمل'' ہو جائیگا خواہ رفع حدث ہو یا نہ۔

☆ اب ثمرہ اس اختلاف کا یہ ہے کہ اگر کسی بے وضوء شخص نے قربت کی نیت کے بغیر محض ٹھنڈک حاصل کرنے کی نیت سے وضوء کیا تو امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے مذہب میں پانی ''مستعمل'' ہوگیا۔ مگر امام محمدؒ کے نزدیک وہ پانی ''مستعمل'' نہیں ہے کیونکہ اس میں قربت کا قصد نہیں کیا گیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ چوتھے امام' امام زفرؒ کے نزدیک خالی رفعِ حدث سے پانی ''مستعمل ہو جاتا ہے خواہ تقرب کی نیت ہو یا نہ ہو۔ یعنی ان کا مذہب امام محمدؒ کے مذہب کے بالکل الٹ ہے۔ (عین الہدایہ جلد اول ص ۱۰۵)

اگر اب بھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی صدارت میں تدوین فقہ کیلیے ایک مجلس قائم کی گئی تھی۔ اور مذکورین بالا کی موجودگی میں ہر مسئلے پر بحث و تمحیص ہونے کے بعد اسے درجِ رجسٹر کیا جاتا تھا۔ تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہونگے کہ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو

پھر حنفی فقہ کی تمام موجودہ کتابیں اور تصنیفات جعلی اور من گھڑت ہیں جو کسی دشمن کی سازش سے پھیلائی گئی ہیں۔گر قبول افتد......

اختلاف نمبر ۳۲

''مستعمل'' ہونے کا وقت

((والاختلاف الثانی فی انہٗ متیٰ یصیر مستعملاً ففی الھدایۃ انہٗ کما زایل العضو صار مستعملاً)) (شرح وقایہ ص ۸۹)

''اور ''ماء مستعمل'' میں دوسرا اختلاف یہ ہے کہ وہ کس وقت ''مستعمل'' بنتا ہے۔پس ہدایہ میں ہے کہ وہ جونہی عضو سے زائل ہوگا ''مستعمل'' ہو جائیگا۔''

☆ یہاں اختلاف کی طرف اشارہ تو کیا گیا ہے مگر قول ایک ہی نقل کیا گیا ہے' دوسرا قول نہیں نقل کیا گیا۔البتہ علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں :

((اختلفوا فی وقت کونہٖ مستعملاً علیٰ قولین احدھما انہ یصیر مستعملاً بمزایلۃ عن البدن و استقرارہٖ فی موضع و ھو اختیار مشائخ بلخ والطحاوی والظھیر المرغینانی والصدر الشھید و فخر الاسلام' وثانیھما آنہٗ یصیر مستعملاً بمجرد زوالہٖ عن العضو فی الوضوء و عن جمیع البدن فی الغسل و ھو الذی اختارہٗ فی الھدایۃ))

(عمدۃ الرعایہ فی حل شرح وقایہ ص ۸۹)

''ائمہ احناف نے پانی کے ''مستعمل'' ہونے کے وقت میں اختلاف کیا ہے دو قول پر (یعنی اس مسئلہ میں ائمہ احناف کے دو مذہب ہیں) ایک یہ ہے کہ پانی اس وقت ''مستعمل'' بنتا ہے جب وہ بدن سے جدا ہو کر کسی دوسری جگہ پر ٹھہر جائے۔اس مذہب کو اختیار کیا ہے بلخ کے مشائخِ احناف' امام طحاوی' امام ظہیر مرغینانی' امام الصدر الشہید' اور فخر الاسلام علی بزدوی نے۔اور

دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ وضوء کرتے ہوئے عضو سے اور غسل کرتے ہوئے سارے بدن سے فقط جدا ہوجانے سے ''مستعمل'' ہوجائیگا۔ اور یہی ہے وہ قول جسے (صاحبِ ہدایہ نے) ہدایہ میں اختیار کیا ہے۔''

اس اختلاف کو معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ اگر کسی وضوء کرنے والے نے مثلاً اپنی داڑھی سے تری لیکر سر پر مسح کیا' یا اپنے سر پر مسح کیا اور تری باقی رہی اس سے اپنے دونوں موزوں پر مسح کرلیا' یا اگر کوئی شخص مثلاً اونچی جگہ پر وضوء کررہا ہے اس کا گرتا پانی زمین پر پہنچنے سے پہلے دوسرا شخص لیکر اس سے وضوء کرتا ہے تو صاحبِ ہدایہ وغیرہ ائمہ کے نزدیک اس کا وضوء جائز نہیں ہے کیونکہ انکے نزدیک یہ پانی ''مستعمل'' ہوچکا ہے۔ مگر مذکورین بالا ائمہ و مشائخ کے نزدیک اس کا وضوء صحیح ہے کیونکہ انکے نزدیک پانی ابھی ''مستعمل'' نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ پانی گر کر کسی جگہ نہیں ٹھہرا۔

اختلاف نمبر ۳۳

ماءِ مستعمل کا حکم

((والاختلاف الثالث فی حکمہ فعند ابی حنیفۃؒ ھو نجس نجاسۃ غلیظۃ و عند ابی یوسفؒ ھو نجس نجاسۃ خفیفۃ و عند محمد ھو طاھر غیر طھور))

(شرح وقایہ ص ۸۹) و (ھدایہ کتاب الطھارات)

''اور تیسرا اختلاف ماءِ مستعمل کے حکم میں ہے۔ پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نجاست غلیظہ ہے' امام ابویوسفؒ کے نزدیک وہ نجاست خفیفہ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے۔''

☆ صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں: ''فتویٰ یہ کہ آبِ مستعمل پاک ہے حتیٰ کہ اس سے حقیقی نجاست دھونا بھی جائز ہے۔'' (عین الہدایہ ج اول ص ۱۰۵)

☆ جب ماءِ مستعمل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے تو مترجمِ ہدایہ سیّد امیر

علی حنفی کو یہ اختیار کس نے دیدیا کہ وہ اپنے ''امامِ اعظم'' کے مذہب کو رد کر کے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ جاری کریں۔

☆ ''تذکرۃ المحدثین'' کے مصنف ''علامہ غلام رسول سعیدی'' صاحب نے تو ابوحنیفہؒ کو معصوم عن الخطاء ثابت کرنے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی۔ وہ لکھتے ہیں :

''امام اعظم ان پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصاف طبع سے فانی اور احکامِ شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ کیونکہ ان کے چلانے والے حضور ﷺ ہیں اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے' اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے یا مصیب۔ اور جب امام اعظم کے قائد حضور ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور حضور کی صفتِ بقاء سے قائم ہوئے اور جب حضور سے خطا محال ہے تو جو آپ کے چلانے سے چل رہا ہے اور اپنی صفت کو فنا کر کے آپ کی صفت سے قائم ہے' اس سے بھی خطا نہیں ہوسکتی۔ پس ثابت ہوا کہ اور کسی امام سے مسائل میں خطا ہو یا نہ ہو آپ سے نہیں ہوسکتی۔''

(تذکرۃ المحدثین ص ۶۴)

اگر واقعی یہی حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ سے خطا کا صدور ہی ناممکن ہے' اور وہ (العیاذ باللہ) اللہ کے نبیؐ کی طرح معصوم عن الخطاء ہیں' تو ایمان داری سے بتائیے! کہ وہ سارے حنفی مقلدین' مشائخ اور ائمہ جنہوں نے کئی مسائل میں ابوحنیفہؒ کا مذہب رد کر کے کسی دوسرے امام کا مذہب اختیار کیا ہے' کوڑے کھانے کے لائق ہیں یا نہیں ؟۔ (العیاذ باللہ)

اب اس بے انصافی کا شکوہ کس سے کیا جائے کہ اگر اہلحدیث' حدیثِ رسولؐ کی وجہ سے ابوحنیفہؒ کا مذہب رد کر دیں تو وہ کشتنی اور گردن زدنی قرار پائیں۔ اور اگر حنفی مقلدین ایک ''معصوم امام'' کی غلامی کا طوق پہننے کے باوجود دوسروں کی چوکھٹ پر جبینِ نیاز کے سجدے لٹاتے رہیں تو پھر بھی انہیں غداری کی بجائے وفاداری کی سند ملتی رہے!۔ اگر اہلحدیث' حدیث پر عمل کریں تو گستاخ' اور اگر تقلیدِ شخصی کے مرتکبین' مشائخ

عراق کی تابعداری کرلیں تو پکے مؤمن"

اگر اہلحدیث سنت پر عمل کریں تو "مجتہد" بننے کا طعنہ سنیں اور مقلدین جس حنفی شیخ یا مجتہد کی چاہیں پیروی کریں پھر بھی "تقلید شخصی" کا طوق گلے سے نہیں اترتا۔ کسی نے شاید انہی کے بارے میں ہی کہا ہے:

ان کی سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں" اور لڑنے کا اقرار بھی نہیں

شاعر سے تو ہم معذرت کرلیں گے مگر حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

اختلاف نمبر ۳۴

جُنبی کا غوطہ

((الجنب اذا انغمس فی البئر لطلب الدلو فعند ابی یوسف الرجل بحالہٖ۔ والماء بحالہٖ ......و عند محمد کلاھما طاھران ......و عند ابی حنیفة کلاھما نجسان۔" (ھدایہ کتاب الطھارات)) (کبیری ص ۱۶۱)

اگر جنبی آدمی نے کسی کنویں (جو دس در دس نہیں ہے) کے اندر غوطہ مارا ڈول نکالنے کے لیے تو امام ابو یوسف کے مذہب میں جنبی اور پانی اپنے حال پر ہیں۔ یعنی جنبی پاک نہیں ہوا اور پانی پلید نہیں ہوا۔ اور امام محمد کے مذہب میں جنبی اور پانی دونوں پاک ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں جنبی اور پانی دونوں پلید ہیں۔

یہ ہے وہ "فقہ" جس کے بغیر دین و ایمان ادھورا جس پر عمل کرنا "واجب" اور جس کی اتباع سے اتباعِ نفس کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ اور یہی ہے وہ "فقہ" جس کا سلسلہ سند علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول رسول اللہ ﷺ تک اور مولانا ظفیر الدین دیوبندی کے بقول حضرت علیؓ تک جا پہنچتا ہے۔

(مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۷۵)

اگر بارگاہِ تقلید میں لب کشائی کی اجازت ہو تو کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ درج بالا تین مذاہب میں سے رسول اللہ ﷺ یا حضرت علیؓ نے کس مذہب کی تعلیم دی ہے؟۔ یا یہ تینوں قول رسولؐ اللہ اور حضرت علیؓ سے ثابت ہیں؟۔ اور اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فقط امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کی سند رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ تک پہنچتی ہے تو براہِ کرم یہی ثابت کر دیجیے۔ مگر اسطرح آپ کو باقی ساری فقہ اور ائمہ و مشائخ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوسکتا اور یقیناً نہیں ہوسکتا تو پھر فقہ حنفی کے تقدس کی داستانیں گھڑنے کی بجائے مسلمانوں کے دلوں میں اتباعِ رسول کا خالص جذبہ پیدا کیجیے۔ اللہ توفیق دے۔

موج ہوا سے ٹوٹ کے کہتے ہیں بلبلے
اتنی سی زندگی میں نہ پھولا کرے کوئی

اختلاف نمبر ۳۵

کنویں میں پیشاب

((فان بالت فیها شاة نزح الماء کلهٗ عند ابی حنیفة و ابی یوسف و قال محمد لاینزح الا اذا غلب علی الماء......واصله ان بول ما یؤکل لحمه طاهر عند محمد و نجس عندهما)) (هدایه کتاب الطهارات و کبیری ص۱۴۶)

"اگر بکری کنویں میں پیشاب کر دے تو ابوحنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک کنویں کا سارا پانی نکالا جائے۔ اور امام محمد کے نزدیک کچھ بھی نہ نکالا جائے جب تک پیشاب پانی پر غالب نہ آ جائے۔ امام محمد کے اصول کے مطابق حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔ اور ان دونوں کے نزدیک پلید ہے (یعنی اختلاف کی وجہ اصول کا مختلف ہونا ہے)۔"

☆ مگر افسوس کہ تھوڑا سا آگے چل کر ''وہ دونوں'' بھی متفق نہیں رہ سکے۔ارشاد ہوتا ہے!

((ثم عند ابی حنیفة لا یحل شربه للتداوی……وعند ابی یوسف یحل للتداوی للقصة و عند محمد یحل للتداوی وغیره لطهارته عندہٗ)) (ایضاً)

یعنی ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب بطورِ دوا پینا بھی حلال نہیں ہے۔اور ابو یوسف کے نزدیک بطورِ دوا پینا حلال ہے قصہء عرنیین کی وجہ سے۔اور امام محمد کے نزدیک تو دوا کے علاوہ پینا بھی حلال ہے کیونکہ انکے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

اس کتاب میں ہمارا موضوع چونکہ ائمہ احناف کے صرف اختلافات نقل کرنا ہے ورنہ ہم بجا طور پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جولوگ حدیث میں بیان شدہ قصہ عرنیین کی وجہ سے اہلحدیث کو پیشاب پینے کا مشورہ دیا کرتے ہیں‘ان کا ابو یوسف اور امام محمد کے بارے میں کیا مشورہ ہے؟۔امید ہے آئندہ کسی ایسے موقع پر یہ سوال بھی دھیان میں رہے گا۔

اختلاف نمبر ۳۶

منی اور طہارت

((ولو اصاب البدن قال مشائخنا یطهر بالفرك ……وعن ابی حنیفة انه لا یطهر الا بالغسل))(هدایه کتاب الطهارات)

'' اگر منی بدن کو لگ جائے تو ہمارے مشائخ نے کہا کہ کھرچنے سے بدن پاک ہوجائے گا۔اور ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوگا۔''

احناف مقلدین کے نزدیک امام ابوحنیفہ سے جب غلطی ہونے کا ''سوال ہی پیدا ہیں ہوتا'' تو مشائخ احناف نے آخر کس وجہ سے اپنے امام اعظم کا فتویٰ رد کردیا۔اور

صرف فتویٰ رد ہی نہیں کیا بلکہ فتوے کے مقابلے میں ایک اور فتویٰ جاری کر دیا؟۔

☆ سیّد امیر علی حنفی فرماتے ہیں: ''بالجملہ ظاہر مذہب وفتویٰ اس پر ہے کہ بدن بھی خشک منی کے فرک سے پاک ہو جاتا ہے۔'' (عین الہدایہ ج۱ص۲۲۱)

☆ تھانوی صاحب کا یہ ارشاد بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ ''اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلہ میں کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر کے عمل کرے۔'' (الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ص۳۳)

اور صاف ظاہر ہے کہ یہاں ''ایک ہی عالم'' سے امام ابوحنیفہ ہی مراد ہیں۔مگر افسوس! کہ فقہ حنفی میں ''ایک ہی عالم'' سے رجوع کرنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ بلکہ قسم قسم کے فتوے بے چارے مقلدین پر ٹھونس دیے گئے ہیں۔اگر ''فقہ'' کی مظلومی کا مزید تماشہ دیکھنے کا حوصلہ ہو تو آیئے! واپس ''میدان کارزار'' میں چلتے ہیں جہاں ہر صاحبِ فن اپنے فن کے مختلف جوہر دکھا رہا ہے۔

اختلاف نمبر۳۷

نجاستوں کو پاک کرنا

((ویجوز تطهیرها بالماء و بکل مائع طاهر یمکن ازالتها به کالخل و ماء الورد و نحو ذالك ......و هذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف ؒ وقال محمد و زفر والشافعی لایجوز الا بالماء)) (هدایه کتاب الطهارات)

''اور جائز یعنی صحیح ہے نجاستوں کا پاک کرنا یعنی زائل کرنا پانی کے ساتھ اور ہر ایسی چیز کے ساتھ جو بہنے والی اور پاک ہو اور اس سے نجاست زائل کرنا ممکن ہو۔ جیسے سرکہ اور عرق گلاب وغیرہ اور یہ حکم کلی ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک ہے۔اور امام محمد و زفر و شافعی (اور مالک و عامہ فقہاء نے) کہا کہ پانی کے سوا کسی دوسری چیز کے ساتھ نجاستوں کا پاک کرنا جائز نہیں ہے۔''

طہارت کا سستا طریقہ

ائمہ احناف کا یہ اختلاف ایک ایسا کلیہ ہے جس سے ہر چیز کی طہارت یا نجاست کے متعلق بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ شئے کس کے نزدیک پاک ہے اورکس کے مذہب میں پلید۔ اسکی چند صورتیں مثلاً درج ذیل ہیں:

''پھلوں مانند سیب وغیرہ کا نچوڑا ہوا اور درختوں کا پانی وخربوزہ وککڑی وتربوز وصابون وباقلا کا پانی اور ہر پانی جس سے کوئی چیز مل کر اس پر غالب آگئی ہو تو وہ بھی مائع کے حکم میں ہے۔ ذکرہ الطحاوی۔ حتیٰ کہ تھوک بھی پاک کرنے والا ہے۔ چنانچہ اگر بچہ نے ماں کی چھاتی پر قے کردی پھر دودھ پیا حتیٰ کہ قے کا اثر زائل ہوگیا تو پاک ہوگیا۔ اسی طرح اگر کسی کی انگلی میں نجاست شراب بھرگئی اور شراب خور نے اسکو چوس لیا حتیٰ کہ اثر جاتا رہا تو پاک ہوگئی۔ اگر شراب خور نے شراب پی اور بار بار منہ میں تھوک بھر کر نگل گیا تو منہ پاک ہوگیا حتیٰ کہ نماز پڑھے تو صحیح ہے۔ اور بقولِ محمدؒ نہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ پانی نہیں ہے۔'' (عین الہدایہ ص ۲۱۷)

یعنی مذکورہ بالا سب صورتوں میں ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ کے نزدیک تو نجاست زائل ہوگئی اور شئے مذکور پاک ہوگئی۔ مگر امام محمدؒ اور زفرؒ کے نزدیک مذکورہ بالا تمام صورتوں میں نجاست زائل نہیں ہوئی اور شئے مذکور بھی پاک نہیں ہوئی بلکہ حسبِ سابق پلید رہی۔

عبرت کا مقام یہ ہے کہ کچھ آگے چل کر ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ میں بھی اختلاف پیدا ہوگیا کہ یہ کلیہ بدن اور کپڑے دونوں پر نافذ ہوگا یا فقط بدن یا فقط کپڑے پر؟۔☆ صاحبِ ہدایہ جواب دیتے ہیں:

((وجواب الکتاب لا یفرق بین الثوب والبدن وھذ اقول ابی حنیفۃ و احدی الروایتین عن ابی یوسف و عنہ انہ فرق بینھما فلم یَجُزُ فی البدن بغیر الماء)) (ایضاً)

یعنی کتاب (قدوری) میں جو جواب مذکور ہے وہ کپڑے و بدن میں فرق نہیں کرتا۔اور یہی قول ابوحنیفہ کا ہے۔اور ابو یوسف کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے۔اور ابو یوسف سے دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے بدن اور کپڑے میں تفریق کی ہے۔پس بدن کے پاک کرنے میں سوائے پانی کے دوسری چیز سے تجویز (جائز) نہیں کیا۔

یعنی پیشواؤں کی ساری زندگی اختلافات میں گزر گئی اور مقلد بے چارہ گنبد کے اخروٹ کی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر لڑھکتا ہی رہا۔دوسروں کو خواہشات کی پیروی کا الزام دینے والے یہ نہ دیکھ سکے کہ اس بے مہار سیلاب میں خود ان کا اپنا گھر بہہ رہا ہے۔

ایمان داری سے بتایئے ! کہ ایمان و عمل کو اختلافات کے اس جھگڑے کے حوالے کر دینے کی بجائے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا دامن تھام لیا جائے ؟۔اگر آنکھیں بند کر کے غیر مشروط تابعداری ہی کرنی ہے تو کیوں نہ اس تابعداری کا حق امام الانبیاءؑ کو دے دیا جائے۔

اختلاف نمبر ۳۸

موزہ اور تر نجاست

((وفی الرطب لایجوز حتیٰ یغسلہٗ لان المسح بالارض یکثرہٗ ولا یطھرہٗ و عن ابی یوسف انہٗ اذا مسحہٗ بالارض حتیٰ لم یبق ا ثر النجاسۃ یطھر لعموم البلویٰ و ا طلاق ما یرویٰ و علیہ مشائخنا))

(ہدایہ کتاب الطہارات) و (شرح وقایہ ص ۱۳۸)

''اور تر نجاست میں جائز نہیں ہے یہانتک کہ اسکو دھووے۔کیونکہ تر نجاست کو پونچھنا اسکو زیادہ پھیلا دیگا اور پاک نہیں کرے گا۔اور امام ابو یوسف سے

مروی ہے کہ تر نجاست کی صورت میں بھی جب موزہ کو زمین سے رگڑا جائے یہانتک کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو وہ پاک ہوگیا عمومِ بلویٰ اور اطلاقِ حدیث کی وجہ سے۔اور ہمارے مشائخ اسی (ابو یوسف کے) قول پر ہیں۔"

☆ صاحبِ ہدایہ نے جو پہلا قول (و فی الرطب لایجوز) بیان کیا ہے، اس کے متعلق سید امیر علی مترجمِ ہدایہ لکھتے ہیں: "ف یہی ظاہر الروایۃ ہے قاضی خان۔ کیونکہ ہم بالیقین جانتے ہیں کہ جوتی و موزہ نے جب پیشاب یا شراب چوس لی تو مسح سے زائل نہ ہوگی۔" (عین الہدایہ ص ۲۱۸)

اب سوال یہ ہے کہ جب امام محمد کی ظاہر الروایۃ میں یہی مذہب لکھا ہے تو حنفی مشائخ نے "اصلی" مذہب کو چھوڑ کر ابو یوسف کے قول پر کیوں فتویٰ دیا ہے؟۔کیا اسی کا نام "تقلیدِ شخصی" ہے؟۔اور پھر مزید تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس "مجلس" میں ایک ایک مسئلہ پر مہینوں گفت و شنید ہوتی تھی، امام ابو یوسف نے یہ مسئلہ وہیں کیوں نہ درجِ "رجسٹر" کروالیا۔تاکہ بعد میں "مشائخ" کو رجسٹرڈ مذہب ترک کر کے ایک نئے مذہب پر ایمان وعمل کی بنیاد نہ رکھنا پڑتی۔

یقین کیجیے! یہاں تقلیدی نظریات و اعتقادات کا بوسیدہ محل جس برے انداز میں مسمار ہوا ہے، انہدامِ مذہب کی اس سے بہتر مثال کہیں اور نہیں ملے گی۔

اور یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس مذہب کی بنیاد محض خوش گمانی اور اندھی عقیدت پر رکھی گئی ہو، اسکو زمین بوس کرنے کے لیے حقائق کا بس ایک جھٹکا ہی کافی ہوتا ہے أئمہ احناف کے اختلافات کا سلسلہ ابھی جاری ہے اور ابھی موزہ ہی کی طہارت کے مسئلہ میں ایک اور اختلاف بھی موجود ہے۔جو اگلے نمبر میں پیشِ خدمت ہے۔

اختلاف نمبر ۳۹

موزہ اور ٹھوس نجاست

((واذا اصا ب الخف نجاسة لها جرم كالروث و العذرة

والدم والمنی فجفت فدلکه بالارض جاز ...... وقال محمد لایجوز)) (هدایه کتاب الطهارات)

''اور جب موزہ یا جوتے وغیرہ کو ایسی نجاست غلیظہ یا خفیفہ لگ گئی جس کا جرم ہے (یعنی خشکی پر اس کا جسد نظر آتا ہے خواہ عین نجاست کا ہو یا مٹی وغیرہ ڈال کر اسکو جرم دار کر دیا ہو) جیسے ہر طرح کے گوبر اور آدمی کا پاخانہ اور دم مسفوح اور منی۔ پھر یہ نجاست لگ کر خشک ہوگئی۔ پس اس کو زمین سے مَل دیا تو جائز ہے۔ اور امام محمد نے کہا جائز نہیں ہے۔''

یعنی تر نجاست میں ابو یوسفؒ کا ابو حنیفہؒ و محمدؒ سے اختلاف ہے۔ اور جسم رکھنے والی خشک نجاست میں امام محمد کا ابو حنیفہ وابو یوسف سے اختلاف ہے۔

☆ علامہ عبدالحیٔ حنفی لکھنوی فرماتے ہیں:

((وان کان لها جرم کالعذرة وا لدم فان کانت رطبة لا تطهر الا بالغسل وعن ابی یوسف اذا مسحهٗ بالتراب ثم مسحه تطهر وان کانت یابسة یطهر بالمسح علی الارض وفیه خلاف محمد فانه لاطهارة عنده الا بالغسل علیه)) (عمدة الرعایه ص ۱۳۸)(کبیری ص ۱۷۵)

''یعنی اگر جرم دار نجاست جیسے پاخانہ اور خون تازہ یا گیلا ہو تو سوائے دھونے کے پاک نہیں ہوگا۔ اور ابو یوسف کے نزدیک اگر اس کو مٹی سے رگڑا اور پھر رگڑا تو پاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسی قسم کی نجاست لگ کر خشک ہوگئی تو زمین پر رگڑنے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے مگر اس میں امام محمد کا اختلاف ہے۔''

خلاصہ یہ نکلا کہ ''اتفاقی مجلس'' میں اس مسئلے پر بحث کے دوران امام محمد مطمئن نہیں ہو سکے تھے۔ یا پھر ''صدرِ مجلس'' انہیں مطمئن ہی نہیں کر سکے تھے۔ اور صرف امام محمد ہی نہیں، ابو یوسف بھی اس مسئلہ میں ''صدر مجلس'' کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اُنکے نزدیک تازہ نجاست رگڑنے سے طہارت حاصل نہیں ہوتی بلکہ خشک ہو جانے کے بعد زمین پر

رگڑنے سے حاصل ہوتی ہے۔مگر ''تقلید شخصی'' کا اپنی موت آپ مرجانے کا قصہ یہ ہے کہ مقلدین نے امام ابوحنیفہ کی تقلید کا گلا گھونٹ کر یہاں ابویوسف کے مذہب پر فتویٰ دے دیا ہے۔ع

''مذہب معلوم اہل مذہب معلوم''

اختلاف نمبر۴۰

زمین کی طہارت

((وان اصابت الارض فجفت بالشمس وذهب اثرها جازت الصلوٰة علىٰ مكانها وقال زفر والشافعي لايجوز))

(ھدایہ کتاب الطھارات)

''اور اگر زمین پر نجاست لگ گئی پھر دھوپ (وغیرہ) سے خشک ہوگئی اور نجاست کا اثر (رنگ' بواور ذائقہ) ختم ہوگیا تو اس نجاست کی جگہ پر نماز جائز ہے۔اور امام زفر وشافعی نے کہا کہ نماز اس پر جائز نہیں ہے۔''

نوٹ: جن ائمہ احناف کے نزدیک مذکورہ جگہ پر نماز جائز ہے'ان کے نزدیک اس جگہ سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔اور نماز جائز نہ ہونے پر زفر کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔یعنی اس نجاست والی جگہ پر چونکہ باقی ائمہ کے نزدیک تیمّم کرنا جائز نہیں ہے تو گویا یہ اس جگہ کے ناپاک ہونے کی دلیل ہے۔لہذا ایسی جگہ پر نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔اب فیصلہ تو بہرحال مقلدین نے ہی کرنا ہے کہ وہ اس جگہ کو صرف نماز کے لیے مخصوص کرتے ہیں یا ساتھ تیمّم کے قابل بھی سمجھتے ہیں۔

اختلاف نمبر۴۱

سور' گدھے اور شراب کی طہارت

''ایک پانچواں امر پاک ہونے کا یہ کہ عین شئ کی حقیقت بدل جائے جیسے

شراب سرکہ ہوجاوے تو پاک ہو جائے گی اور اس میں اتفاق ہے۔اور سوائے شراب کے امام ابو یوسف وامام محمد میں اختلاف ہے۔امام مصنفؒ نے ''تجنیس'' میں لکھا کہ ایک لکڑی کو پیشاب لگا وہ جل گئی اور اسکی راکھ کنویں میں گری تو پانی خراب ہوگیا۔اور یہی حال آدمی کے فضلہ کی راکھ کا ہےاور یوں ہی سور یا گدھا نمکسار میں مرکر نمک ہو گیا تو یہ نمک نہیں کھایا جاوے اور یہ سب بقول ابو یوسف ہے بخلاف قول محمد۔'' (عین الھدایہ ص۲۲۳ و۲۲۴) (کبیری ص۱۸۶)

درج بالا عبارت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ مذکورہ بالا ساری چیزیں ابو یوسفؒ کے نزدیک پلید اور حرام ہیں اور امام محمدؒ کے نزدیک پاک اور حلال ہیں۔احناف کے بارے میں ہمارا حسنِ ظن تو یہی تھا کہ اس مسئلے میں انکے ائمہ کے درمیان چونکہ اختلاف ہے اور اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں پایا گیا' لہذا وہ لازماً اس مسئلہ میں ابو یوسف ہی کی ''تقلید شخصی'' کریں گے۔مگر افسوس! کہ تقلید جب نشہ بن کر اعصاب پر سوار ہوجاتی ہے تو فہم و بصیرت کی سب صلاحیتیں گہری نیند سوجاتی ہیں۔خود اپنی ذات کے نفع ونقصان کی سوچ بھی ذہنی جمود کے مدفن میں دب جاتی ہے۔اب اس مسئلہ میں احناف کا فیصلہ یہ ہے:

☆ ''لیکن بہت سے مشائخ نے قولِ محمدؒ اختیار کیا ہے اور یہی مختار ہے۔اسی قول اسی پر تاج الشریعہ نے ''وقایہ'' میں جزم کیا۔کیونکہ جب یہ عین بالکل نہ رہے تو وصف نجاست نہ رہا۔کیونکہ نمک وہ گوشت و ہڈی نہیں ہے تو اب اس پر نمک کا حکم ہے۔'' (ایضاً)

مبارک ہو یہ ''مقدس'' نمک اور اسے قبول کرنے والے ''شریعت کے تاج''!۔

اختلاف نمبر ۴۲

نجاست کی مقدار

((قدر الدرهم وما دونهٗ من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر و خرء الدجاج و بول الحمار جازت الصلوٰة معهٗ

وان زاد لم یجز وقال زفرو الشافعی قلیل النجاسة وکثیرها سواء لأن النص الموجب للتطهیرلم یفصل)) (ھدایہ کتاب ا لطھارات)

''اگر نجاست مغلظہ جیسے خون'پیشاب'شراب'مرغی کی بیٹ اور گدھے کا پیشاب ایک درہم یا اس سے کم مقدار میں ہوتو اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔اور امام زفر و شافعی نے کہا کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ برابر ہے (یعنی نماز جائز نہیں ہے) کیونکہ تطہیر کو واجب کرنے والی نص نے قلیل و کثیر میں کوئی فرق بیان نہیں کیا۔''

اختلاف نمبر۴۳

گوبر اور فقہ کا حکم

((اما الارواث والاخثاء فکلها نجس نجاسة غلیظة عند ابی حنیفة وعندهما خفیفة)) (کبیری ص۱۴۷)(عین الھدایہ ص۲۲۷)

''ہر قسم کی لید' گوبر اور مینگنیاں ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہیں اور صاحبین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہیں۔''

اس اختلاف کا جو نتیجہ نکلا وہ درج ذیل اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔پڑھیے اور خود فیصلہ کر لیجیے کہ اس فقہ میں کتنے فیصد ''فقہ'' موجود ہے۔جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ ساری ''مصیبتیں'' ائمہ احناف کے ذاتی تفقہات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔جن کی اندھا دھند پیروی کو شرعی واجب کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

اختلاف نمبر۴۴

گوبر کے ساتھ نماز

((واذا اصاب الثوب من الروث او من اخثاء البقر اکثر من

قدر الدرھم لم یجز الصلوٰۃ فیه عند ابی حنیفة ......و قالا یجزیه حتیّٰ یفحش)) (ھدایه کتاب الطھارات)

’’اور جب کپڑے کو لید یا گائے کے گوبر سے ایک درم سے زیادہ لگ جائے تو اس کپڑے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز جائز نہیں ہے۔اور صاحبین نے کہا کہ لید و گوبر کے ساتھ نماز جائز ہے یہاں تک کہ فاحش یعنی بہت زیادہ ہو جائے۔‘‘

اختلاف نمبر ۴۵

حلال اور حرام جانوروں میں فرق

((ولا فرق بین ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم و زفر فرق بینھما فوافق اباحنیفة فی غیر ماکول اللحم ووافقھما فی ماکول اللحم و عن محمد انهٗ لما دخل الری ورآی البلویٰ افتیٰ ان الکثیر الفاحش لایمنع ایضا))

(ھدایه کتاب الطھارات)

’’اور کوئی فرق نہیں درمیان ماکول اللحم و غیر ماکول اللحم کے (یعنی جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا نہیں کھایا جاتا سب کی لید و گوبر وغیرہ نجس ہے۔البتہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اور صاحبین کے نزدیک خفیفہ ہے کما مر)اور زفرؒ نے دونوں قسم میں حکم کے لحاظ سے فرق کیا ہے۔وہ غیر ماکول اللحم کی لید و گوبر کے نجاست غلیظہ ہونے میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور غیر ماکول اللحم کی لید و گوبر وغیرہ کے نجاست خفیفہ ہونے میں صاحبین کے ساتھ ہیں۔اور امام محمدؒ سے بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ رے شہر میں داخل ہوئے اور لوگوں کو عموماً اس میں مبتلا دیکھا تو انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ یہ اگر کثیر فاحش بھی ہو تو بھی

مانع نماز نہیں ہے۔''

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس مسئلہ میں اَئمہ احناف کے چار مذہب ہیں۔

① امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ماکول اللحم وغیر ماکول اللحم سب جانوروں کی لید وگوبر وغیرہ نجاست غلیظہ ہے۔اگر درم سے زیادہ مقدار میں کپڑے کو لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

② صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ دونوں قسم کے جانوروں کی لید وگوبر نجاست خفیفہ ہے۔ جب تک بہت زیادہ مقدار میں نہ لگ جائے اسکے ساتھ نماز جائز ہے۔

③ ہارون رشید کی معیت اور رعیت میں جب امام محمد نے رے شہر کے لوگوں کو لید وگوبر وغیرہ میں ملوث دیکھا تو نیا فتویٰ جاری کر دیا کہ اگر یہ نجاست بہت زیادہ مقدار میں لگ جائے پھر بھی اسکے ساتھ نماز جائز ہے۔

④ امام زفر (شاگرد ابوحنیفہؒ) کا مذہب یہ ہے کہ اس نجاست کے بارے میں جو مذہب ابوحنیفہ کا ہے وہ غیر ماکول اللحم جانوروں کی لید وگوبر کے بارے میں صحیح ہے' ماکول اللحم کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔اور جو مذہب صاحبین کا ہے وہ ماکول اللحم جانوروں کی لید وغیرہ میں صحیح ہے' غیر ماکول اللحم کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔سبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شی!

کسی نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ

دل فریبوں نے کہی جس سے نئی بات کہی
ایک سے دن کہا اور دوسرے سے رات کہی

اسی ''فقہ'' کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک تو پوری کابینہ نے اسے متفقہ طور پر پاس کیا ہے اور دوسرے یہ کہ اسکا سلسلہ اسناد حضرت علیؓ تک جا پہنچتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس ''فقہ'' میں اقوال الرجال کا جس طرح مکسچر تیار کیا گیا ہے' اسکا سلسلہء سند حضرت علیؓ تک پہنچنا تو درکنار فقط امام ابوحنیفہؒ تک ہی پہنچ جائے تو غنیمت ہے۔

اختلاف نمبر ۴۶

گھوڑے کا گوشت اور پیشاب

((وان اصابہٗ بول الفرس لم یفسدہ حتیّٰ یفحش عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف و عند محمدؒ لا تمنع و ان فحش لأن بول ما یؤکل لحمہٗ طاھر عندہٗ مخفف نجا ستہٗ عند ابی یوسف و لحمہٗ ماکول عند ھما))

(ہدایہ کتاب الطہارات)

''اور اگر اس (یعنی کپڑے) کو گھوڑے کا پیشاب لگ گیا تو ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک جب تک فاحش یعنی بہت زیادہ نہ ہو مفسد نہیں ہے۔اور امام محمدؒ کے نزدیک بہت زیادہ بھی لگ جائے پھر بھی مانع نماز نہیں ہے۔کیونکہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا پیشاب امام محمد کے نزدیک پاک ہے۔اور ابو یوسف کے نزدیک ماکول اللحم کا گوشت نجاست خفیفہ ہے۔اور گھوڑا صاحبین کے مذہب میں ماکول اللحم جانور ہے۔''

☆''ف'' اور جمہور علماء کے نزدیک بھی ماکول ہے یعنی کھانا حلال ہے۔پس حاصل یہ ہوا کہ گھوڑا ماکول اللحم ہے اور ہر ماکول اللحم کا پیشاب امام محمد کے نزدیک پاک ہے۔''(عین الہدایہ ص ۲۳۳)

یعنی گھوڑا صرف اہل حدیث کے نزدیک ہی حلال نہیں ہے بلکہ فقہ حنفی کے اربابِ حل وعقد کے مذہب میں بھی حلال ہے۔اور ایسا حلال ہے کہ اسکے پیشاب کو بھی پاک و پوتر قرار دیا گیا ہے۔اب ہمارے حنفی بھائیوں کو اس بہتی گنگا میں ضرور ہاتھ دھونے چاہییں۔

اختلاف نمبر ۴۷

بلی کا پیشاب اور مشائخ

امام حلبی حنفی فرماتے ہیں:

((فقد حکیٰ ھو فی موضع آخر من ا لتجنیس اختلاف المشائخ فیما اذا بال علی الثوب وقال الفقیه ابوجعفر ینجس الانا ء دون الثوب ....و فی فتاویٰ قاضی خان بول الھرۃ والفارۃ نجس فی اظھر الروایا ت یفسد الما ءوا لثوب انتھی)) (کبیری ص۱۴۷)

"صاحب التجنیس نے ایک دوسرے مقام پر "تجنیس" میں مشائخ کا اختلاف نقل کیا ہے۔اس مسئلہ میں کہ جب بلی کپڑے پر پیشاب کردے۔تو فقیہ ابوجعفر (حنفی) نے کہا کہ کپڑا پلید نہیں ہوگا البتہ برتن میں کرے تو برتن پلید ہو جائیگا۔اور امام قاضی خان نے کہا کہ اظہر الروایات میں بلی کا پیشاب نجس ہے پانی اور کپڑے (دونوں) کو پلید کردیتا ہے۔"

یہاں مشائخ نے ظاہر الروایۃ بلکہ اظھر الروایۃ کو چھوڑ کر اختلاف کا شوق پورا فرمایا ہے۔

اختلاف نمبر ۴۸

پرندوں کی بیٹ

((وان اصابهٗ خرء مالا یؤکل لحمه من الطیور اکثر من قدر الدرھم اجزات الصلوٰۃ فیه عند ابی حنیفة وابی یوسف ؒ وقال محمد ؒ لا یجوز)) (ھدایه کتاب الطھارات)

"اور اگر کپڑے کو ان پرندوں کی بیٹ جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا' درم سے

زیادہ لگ جائے تو امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ کے نزدیک اس میں نماز جائز ہے۔اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

مزید سنیے!امام حلبی حنفی فرماتے ہیں:

((وکون خرء مالا یؤکل لحمه (من ا لطیور) نجاسة خفیفة انما هو فی روایت الفقیه ابی جعفر الهند وانی عن ابی حنیفة و روی عنهما انه نجاسة غلیظة کذا فی المنظومة روی الکرخی ان نجاسته غلیظة عند محمد و عند هما هو ط[illegible] . صححها شمس الائمة السرخسی فی مبسوطه و فی [illegible] صغیر لقاضیخان انه مخففة عندهما مغلظة عند محمد و صححهٗ صاحب الهدایة)) (کبیری ص۱۴۶)

''اور غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ کا نجاست خفیفہ ہونا فقیہ ابوجعفر نے ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے۔اور صاحبین سے اسکا نجاست غلیظہ ہونا روایت کیا گیا ہے۔امام کرخی نے ''المنظومہ'' میں اسی طرح بیان کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک یہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے نزدیک پاک ہے۔اور اسی کو صحیح کہا ہے شمس الائمہ نے اپنی مبسوط میں۔اور قاضی خاں کی جامع صغیر میں ہے کہ یہ (بیٹ) شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور امام محمد کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔اور اسکو صحیح کہا ہے صاحب ہدایہ نے۔فمالھٰؤلآ ء القوم لا یکادون یفقهون حدیثاً۔''

یعنی ائمہ احناف کا مذہب نقل کرنے میں بھی مشائخ متاخرین نے غلطیاں کی ہیں۔لہذا پورے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعی یہی مذہب ان ائمہ کا ہے۔بلکہ ہوسکتا ہے کہ جسے صاحب ہدایہ صحیح کہیں وہ درحقیقت غلط ہو۔حالانکہ 'ہدایہ' کے بارے میں احناف کا دعویٰ یہ ہے کہ فقہ حنفی کی یہ کتاب ماقبل کی تمام فقہی کتابیں منسوخ اور کالعدم قرار دینے میں قرآن کی مثل ہے۔یہ دعویٰ ہے اور وہ حقیقت۔

اختلاف نمبر۴۹

شراب کا کوزہ

صاحبِ عین الھدایہ لکھتے ہیں:

''اور 'خلاصہ' میں ہے کہ وہ چاہے کوزہ جس میں شراب ہوتو اسکے پاک کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اس میں تین مرتبہ پانی بھرا جاوے ہر بار ایک ساعت تک بشرطیکہ کوزہ نیا ہو۔ یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک کبھی پاک نہیں ہوسکتا۔''

(عین الھدایہ ص۲۳۷)

یوں لگتا ہے کہ اتفاق جیسی نعمت ان لوگوں کے مقدر میں ہی نہیں ہے۔ کہیں شیخین الگ ہیں اور کہیں طرفین۔ اور کبھی صاحبین جدا ہو رہے ہیں تو کبھی صاحبین کا آپس میں ہی ٹاکرا ہو رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تدوینِ فقہ نہیں بلکہ کشتی لڑی جا رہی ہے۔ مگر دعویٔ اتحاد اسقدر دھڑلے اور ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے کہ جیسے یہ حضرات اس مصنوعی اتحادی مجلس میں بنفسِ نفیس تشریف فرما تھے۔ ع:

اے غریبِ وطن تجھ سے ''غربی'' نہ گئی

اختلاف نمبر۵۰

پیشاب اور چوتھائی کپڑا

((وان اصابته نجاسة مخففة كبول ما يوكل لحمه جازت الصلوٰة معه مالم تبلغ ربع الثوب)) (قدوری ص۱۸)

''اور اگر کپڑے کو نجاست مخففہ جیسے ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب لگ جائے تو اسکے ساتھ نماز جائز ہے۔ جب تک کپڑے کے چوتھائی حصے تک پیشاب نہ پہنچے۔''

مطلب یہ ہے کہ اتنا پیشاب نہ ہو کہ کپڑے کا چوتھا (۱/۴) حصہ بھر جائے بلکہ

اس سے ذرا کم مقدار میں ہو تو اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں کپڑے کی تعیین ہی نہیں کی گئی بلکہ اختلاف کے ذریعے مقلدین کے لیے ایک خواہ مخواہ کی مصیبت کھڑی کر دی گئی ہے۔

علامہ اعزاز علی حنفی قدوری کی شرح میں لکھتے ہیں:

((اختلفوا فی کیفیته و اعتباره فقیل ربع جمیع الثوب علیه و عن ابی حنیفة ربع ادنیٰ ثوب تجوز فیه الصلوٰة کالمئزر و قیل ربع طرف اصابته النجاسة کالذیل و الکم و الدخریص. و فیه اقوال آخر ترکنا ها خوف التطویل ۱۲ زیلعی وعز))

(التوضیح الضروری ص۱۸)(کبیری ص۱۷۴)

''ائمہ احناف نے اسکی کیفیت اور اعتبار میں اختلاف کیا ہے۔ پس کہا گیا کہ جتنا کپڑا اس نے پہنا ہوا ہے (یعنی قمیص و تہبند وغیرہ) اس سارے کا چوتھا حصہ اگر پیشاب میں ملوث ہو جائے تو مانع ہے (اس سے کم نہیں) اور ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ وہ کم سے کم کپڑا جسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے' اسکے چوتھے حصے کا اعتبار کیا جائیگا جیسے چادر یا پاجامہ وغیرہ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس کنارے پر پیشاب لگے اسی کا چوتھا حصہ معتبر ہے جیسے دامن' آستین اور قمیص کا پچھلا حصہ وغیرہ۔ اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں جنہیں ہم نے طوالت کے خوف سے نقل نہیں کیا۔ (مہربانی ہے آپ کی! ورنہ آپ وہ سارے اقوال نقل کر بھی دیتے تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔)''

بتائیے! ایسی صورتِ حال میں طہارت یا نجاست کے بارے میں کوئی یقینی فیصلہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟۔ اور ایسی مشکوک حالت میں پڑھی جانے والی نماز پر ایک پرہیز گار مسلمان کا دل اور ضمیر کس طرح مطمئن ہو سکتے ہیں؟۔

پھر بھی دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ ایسی فقہ میں ''غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے''، جس میں ہر مسئلہ مہینوں کی چھان بین کے بعد درجِ رجسٹر کیا گیا ہو۔

اختلاف نمبر ۵۱

غیر ماکول اللحم کا گوشت اور نماز

((اما اذا ذبح ذا لك الحیوان الذی لا یوکل لحمه بالتسمیة حقیقة او حکماً کالنا سی و کان الذابح مسلماً او کتابیاً و صلی احد مع لحمه او جلده قبل الدباغة فیجوز......و هذا الذی ذکره هو اختیار صاحب الهدایة و طائفة و الصحیح ان اللحم لا یطهر بالزکوٰة قال فی الاسرار جلود السباع تطهر با لزکوٰة عند نا خلافاً للشافعی)) (کبیری ص ۱۴۴)

''لیکن وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا (یعنی درندے وغیرہ) جب حقیقتاً یا حکماً بسم اللہ الخ پڑھ کر ذبح کیا جائے۔اور ذبح کرنے والا مسلمان یا کتابی (یہودی و نصرانی) ہو اور کوئی شخص اس کے گوشت یا رنگنے سے قبل چمڑے کے ساتھ نماز پڑھے تو جائز ہے۔اور یہ وہ مذہب ہے جسے صاحب ہدایہ اور ایک گروہِ احناف نے اختیار کیا ہے۔لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔صاحب ''اسرار'' نے کہا کہ درندوں کا چمڑا ذبح کرنے سے ہمارے نزدیک پاک نہیں ہوتا۔''

اس اختلافی مسئلہ میں بھی صاحب ہدایہ کا فیصلہ اور مذہب ٹھکرا دیا گیا ہے۔حالانکہ [ہدایہ] کے مقدمہ میں احناف کا یہ پسندیدہ شعر درج ہے کہ:

ان الهدایة کا لقرآن قد نسخت
ماصنّفوا قبلها فی الشرع من کُتُبٖ

''یعنی ہدایہ قرآن کی طرح ہے۔اس نے تمام پہلی کتابوں کو جو شرع میں لکھی گئیں، منسوخ کر دیا ہے۔''

مگر مقامِ عبرت یہ ہے کہ خود احناف نے اپنے مثلِ قرآن ہدایہ کو غلط قرار دے

دیا ہے:۔

نوٹ: کبیری کی درج بالا عبارت میں ''مسلم'' اور ''کتابی'' کو ایک دوسرے کے غیر کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔یعنی مسلم' کتابی نہیں اور کتابی' مسلم نہیں ہے۔لہذا جو حنفی حضرات اہلِ اسلام کو بھی کتابی کہلوانے پہ مصر ہیں انہیں اپنی فقہ کی کچھ تو لاج رکھنی چاہیے۔

اختلاف نمبر۵۲

خنزیر کا چمڑا

منیۃ المصلی کے مصنف لکھتے ہیں:

((واما لو د بغ جلده ففی ظاهرالروایة عن اصحابنا انه لا یطهر و علیه عامة المشائخ و روی عن ابی یوسف انه یطهر یجوز بیعه)) (منیه مع غنیه ص۱۴۵)

''لیکن اگر خنزیر کا چمڑا رنگ دیا جائے تو ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایت میں ہے کہ پاک نہیں ہوتا۔اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ پاک ہو جاتا ہے اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔''

اختلاف نمبر۵۳

ہاتھی کا چمڑا

((واما جلد الفیل فیطهر بالد باغة کسائر السباع و عظمه طاهر یجوز بیعه و الانتفاع به اّلا عند محمد فانه یقول الفیل نجس العین کالخنزیر فلا یجوز الانتفاع منه بشئی))

(کبیری ۱۵۲)

''ولیکن ہاتھی کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے جیسے دیگر درندوں کا چمڑا پاک

ہوجاتا ہے۔اور ہاتھی کی ہڈی پاک ہے۔اسکی بیع اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے۔"

مگر امام محمد کہتے ہیں ہاتھی خنزیر کی طرح نجس العین ہے یعنی اسکی جلد دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔پس اسکی کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ جلدِ خنزیر کے مسئلے میں ابویوسفؒ دیگر ائمہ سے الگ مذہب رکھتے ہیں اور ہاتھی کی جلد کے مسئلہ میں امام محمدؒ اکیلے رہ گئے ہیں۔

اختلاف نمبر ۵۴

کتے کی نجاست

((وفی المحیط الکلب اذا وقع فی الماء فأُخرج حیّاً......ان لم یصب فمه الماء فعلیٰ قولهما یجب نزح جمیع الماء و عن ابی حنیفة لا بأس به وقال فی الهدایة والکلب لیس بنجس العین ......و فی القنیة اختلف فی نجا سة الکلب والذی صحّ عندی من الروایات فی النواد ر والامالی انه نجس العین عندهما وعند ابی حنیفة لیس بنجس العین انتهیٰ)) (کبیری ص ۱۵۶و۱۵۷)(عین الهدایه ص۱۲۸)

"اور "محیط" میں ہے کہ کتا اگر پانی میں گر جائے تو اگر اسکا منہ پانی کو نہیں لگا تو صاحبین کے قول پر سارا پانی نکالا جائے۔اور ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ کوئی حرج نہیں (یعنی پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے)۔اور صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ کتا نجس العین نہیں ہے۔اور "قنیہ" میں کتے کی نجاست کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔اور میرے نزدیک نوادر و امالی کی روایات میں سے صحیح یہ ہے کہ کتا صاحبین کے نزدیک نجس العین ہے اور ابوحنیفہ کے نزدیک نجس العین نہیں ہے۔"

ایمان داری سے سوچیے کہ جس ''اتحادی مجلس'' میں ہفتوں اور مہینوں کی ''بحث وتمحیص'' کے باوجود کتے کی نجاست کے بارے میں بھی حتمی فیصلہ نہ کیا جاسکا اس نے دیگر مسائل میں کیا عرق ریزی فرمائی ہوگی۔

اختلاف نمبر ۵۵

کتے کے دانت اور نماز

((وروی عن محمد امراۃ صلت و فی عنقها قلادۃ علیها سنن اسد او ثعلب او کلب جازت صلوٰتها......بخلاف الآدمی والخنزیر اما الخنزیر فظا هر واما الآدمی فان کان سن نفسهٖ تجوز صلوٰته معه وان زاد علی قد ر الدرهم عند ابی یوسفؒ وقال محمد لا تجوز اذا زاد علی قدر الدرهم))

(کبیری ص ۱۵۳)

''اور امام محمد سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اسکے گلے میں شیر یا لومڑی یا کتے کے دانتوں کا ہار ہو تو اسکی نماز جائز ہے۔ برخلاف آدمی اور خنزیر کے۔ (یعنی انکے دانتوں کے ہار کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے) خنزیر کے بارے میں تو ظاہر ہے۔ اور آدمی کے اگر اپنے دانت ہوں خواہ درہم سے زائد بھی ہوں تو ابو یوسف کے نزدیک انکے ساتھ نماز جائز ہے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک اگر آدمی کے دانت درہم سے زیادہ ہوں تو انکے ساتھ نماز جائز نہیں ہے۔ (مگر کتے کے دانتوں کی کوئی تحدید نہیں) واہ چہ خوش!

اختلاف نمبر ۵۶

مردہ بکری کا معدہ

((ما یکون فی معدۃ الرضیع من اجزاء اللبن طاهرۃ عند ابی

حنیفة لا تفسد الماء ولا غیره اذا خرجت من شاة میتة سواء کانت جامدة او مائعة و عندهما المائعة نجسة والجامدة متنجسة تطهر بالغسل فیفسدان الماء وغیره الا اذا غسلت الجامدة)) (کبیری ۱۴۸)

''دودھ پینے والے شیرخوار کے معدے میں دودھ کے جو اجزاء ہوتے ہیں اگر وہ مردہ بچے کے معدے سے نکلیں تو وہ پاک ہیں۔خواہ جامد حالت میں ہوں یا مائع حالت میں۔وہ پانی اور دیگر چیزوں کو فاسد اور پلید نہیں کرتے۔اور صاحبین کے نزدیک وہ اجزاء اگر مائع حالت میں ہوں تو نجس ہیں اور اگر ٹھوس حالت میں ہوں تو نجاست میں ملوث ہیں.دھونے سے پاک ہوسکتے ہیں۔پس وہ دونوں (مائع اور جامد) پانی اور دیگر چیزوں کو فاسد و پلید کردیتے ہیں۔سوائے اسکے کہ جامد کو دھولیا جائے۔''

☆ کتبِ فقہ میں صرف یہی خرابی نہیں کہ یہ اختلافات اور مناقشات سے بھری ہوئی ہیں اور ان میں کا ہر شخص اپنے تئیں مجتہد مان کر اپنی ہی کہے جارہا ہے۔بلکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں خود امام ابوحنیفہؒ کے مختلف اقوال اور فتوے ملتے ہیں۔یعنی اگر کوئی شخص ''ہر مسئلے میں ایک ہی عالم''یعنی امام ممدوح کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اسے ایک غیر یقینی اور مشکوک مذہب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ثبوت کے لیے درج ذیل مسائل دیکھیے جنمیں روایات کا اختلاف واضح نظر آرہا ہے۔

اختلاف نمبر ۵۷

چمڑا پاک یا پلید؟

((ولکن لو اصابه بعد الدباغة الحکمیة ماء فعن ابی حنیفةؒ فی عوده نجساً روایتان فی روایة یعود نجساً لعود الرطوبة

وفی روایۃ لایعود نجساً)) (کبیری ۱۵۳)

''اگر دباغت حکمیہ سے پاک کیے ہوئے چمڑے کو بعد میں پانی لگ گیا تو اس کے نجس ہونے میں امام ابوحنیفہ سے دو روایات ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ وہ چمڑا دوبارہ نجس ہوجائیگا کیونکہ پانی لگنے سے نجس رطوبت لوٹ آئیگی۔اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ چمڑا دوبارہ نجس نہیں ہوگا۔''

اختلاف نمبر ۵۸

کپڑا پاک یا پلید؟

((وکذا حکم الثوب اذا اصابہ منی ففرك ثم اصابہ الماء فی روایۃ یعود نجساً وفی روایۃ لا)) (کبیری ص ۱۵۴)

''اوراسی طرح کپڑے کا حکم ہے کہ جب اسے منی لگ گئی پس اسے کھرچ دیا (تو پاک ہوگئی) پھر اسکے بعد اس کپڑے کو پانی لگ گیا تو (ابوحنیفہ) سے ایک روایت کے مطابق کپڑا دوبارہ پلید ہو جائیگا اور ایک روایت کے مطابق دوبارہ پلید نہیں ہوگا۔''

اختلاف نمبر ۵۹

زمین پاک یا پلید؟

((وکذا الارض اذا اصابھا نجس و جفت و حکم بطھارتھا ثم اصابھا الماء فی روایۃ تعود نجساً و فی روایۃ لا))

(کبیری ص ۱۵۴)

''اسی طرح زمین کا مسئلہ ہے کہ اسے نجاست پہنچی اور خشک ہوگئی اور اسکی طہارت کا حکم جاری کردیا گیا۔پھر اسکے بعد اسے پانی پہنچا تو ایک روایت

کے مطابق دوبارہ پلید ہو جائیگی اور ایک روایت کے مطابق پلید نہیں ہوگی۔''

ان روایات پر تبصرہ کرنے کی بجائے میں ''تقلیدِ شخصی'' کو واجب ٹھہرانے والوں کو دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ ان روایات میں سے آپ کس روایت پر عمل کر رہے ہیں اور کیوں؟ ؎

حریمِ گل کا بہاروں میں اب خداحافظ
جو رازدارِ چمن تھا وہ باغباں نہ رہا

اختلاف نمبر ۶۰

کنواں پاک یا پلید؟

((وکذا البیر اذا تنجست فغارت ثم عاد مائھا فی روایۃ تعود نجسۃ و فی روایۃ لا و ذکر فی فتاویٰ قاضیخان ان الاظھر فی البئر ان یعود نجساً ......و ذکرفی المحیط الاظھر ان لا یعود نجسا)) (کبیری ص ۱۵۴)

''اور اسی طرح کنویں کا مسئلہ ہے کہ جب وہ نجس ہو گیا اور پھر سوکھ گیا یعنی خشک ہو گیا (تو پاک ہو گیا) پھر بعد ازیں اسکا پانی لوٹ آیا تو (ابوحنیفہؒ سے ایک روایت کے مطابق وہ کنواں دوبارہ نجس ہو جائیگا اور ایک روایت کے مطابق دوبارہ نجس نہیں ہوگا۔ امام قاضیخاں نے اپنے فتاویٰ (فی فصل البئر) میں بیان کیا کہ اظہر یہ ہے کہ دوبارہ نجس ہو جائیگا۔ اور امام سرخسی نے ''محیط'' میں بیان کیا کہ اظہر یہ ہے کہ دوبارہ نجس نہیں ہوگا۔'' ع

خدایا یہ ترے سادہ دل بندے کدھر جائیں

قربان جاؤں اس فقہ پر! جس میں ایک ہی مسئلے کیلیے اثبات بھی ''اظہر'' ہے اور نفی بھی ''اظہر''! فما لکم کیف تحکمون۔

اختلاف نمبر ۶۱

کنویں میں مینگنیاں

((قال شيخ الاسلام فی المبسوط فاما اذا كان فی الامصار فاختلف مشائخنا فيه قال بعضهم يتنجس اذا وقع فيها بعرة او بعرتان ......وقال بعضهم لا ......و فی الرطبة والمنكسرة اليابسة اختلاف بين المشائخ بعضهم افتیٰ فيها بالتنجس ......و بعضهم سویٰ ای بين الرطب واليا بس والمنكسرو الصحيح)) (کبیری ص۱۵۹/ ۱۶۰)

"شیخ الاسلام نے "مبسوط" میں کہا کہ شہر کے کنویں کے بارے میں ہمارے مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔بعض مشائخ نے کہا کہ اگر کنویں میں ایک دو مینگنیاں گر جائیں تو وہ نجس ہوجائیگا۔اور بعض مشائخ نے کہا کہ نجس نہیں ہوگا۔اور اسی طرح تازہ اور ٹوٹی ہوئی خشک مینگنی کے بارے میں بھی مشائخ میں اختلاف ہے (ماشاء اللہ)۔بعض مشائخ نے ان دونوں (تازہ اور خشک ٹوٹی ہوئی) میں فتویٰ دیا کہ ان سے پانی نجس ہوجائیگا۔اور بعض نے تازہ اور خشک اور ٹوٹی ہوئی یا صحیح وسالم میں کوئی تفریق نہیں کی۔یعنی سب کے ساتھ پانی نجس ہوجائیگا۔"

اختلاف نمبر ۶۲

دودھ میں مینگنیاں

((وان وقعت ای البعرة والبعرتان فی اللبن وقت الحلب فاخرجت حين وقعت ولم يبق لها لون لم يتنجس اللبن ايضاً......وان وقع فی غير وقت الحلب فهو بمنزلة وقوعه

فی سائر الاوانی قیل یعفی فیه البعرة والبعرتان کالبئر والاصح انه یتنجس)) (کبیری ص۱۵۹)

''اگر ایک یا دو مینگنیاں دودھ دوہتے وقت دودھ میں گر جائیں اور اسی وقت نکال دی جائیں کہ ان کا رنگ باقی نہ رہے تو دودھ نجس نہیں ہوگا۔ اور اگر بعد میں کسی وقت دودھ میں گر جائیں تو ان میں وہی حکم جاری ہوگا جو دوسرے برتنوں میں مینگنیاں گرنے سے جاری ہوتا ہے۔ اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ ایک یا دو مینگنیاں معاف ہیں۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ایک دو سے بھی دودھ نجس ہو جائیگا۔''

یعنی یہاں بھی پابندانِ سلاسل کو بیچ منجدھار لا کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اختلافِ رائے اور نااتفاقی کا ہمیشہ یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اختلاف نمبر ۶۳

جوس میں مینڈک

((واما الضفدع اذا مات فی العصیر و نحوه مما عدا الماء فقد اختلف المتأخرون فی کونه یفسده او لا قال المصنفؒ واکثرهم علی انه ینجس......ثم قال فی الهدایة وفی الکافی وقیل لا یفسده وهو الاصح ای لایفسده))

(کبیری ص ۱۶۳)

''مینڈک اگر پھلوں کے رس یا اسکی مثل پانی کے علاوہ کسی اور چیز میں مر جائے تو متاخرین ائمہ و مشائخ نے اسکے مفسد یا غیر مفسد ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ اکثر اس مذہب پر ہیں کہ (جوس

وغیرہ) نجس ہو جائیگا۔ پھر صاحب ہدایہ نے کہا کہ ''کافی'' (احناف کی معتبر قدیمی کتاب) میں ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اسکو فاسد یعنی پلید نہیں کرے گا اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی نجس نہیں کرے گا۔''

جس طرح کے اختلافات سامنے آرہے ہیں جی چاہتا ہے کہ ایک ایک اختلاف پر پوری کتاب لکھ دی جائے۔ مگر اختلافات کی یہ فہرست چونکہ کافی طویل ہے فلہٰذا ہم انہی الفاظ پر اکتفاء کرتے ہوئے اپنے قارئین کو آگے لے چلتے ہیں۔

اختلاف نمبر ۶۴

پانی کا پرندہ اور نجاست

((وذکر فیها طیر المآء اذا وقع فی المآء فعن ابی حنیفة روایتان وعن محمد انه لاینجس وعن ابی یوسف انه ینجس انتهی)) (کبیری ص ۱۶۳)

''صاحبِ خلاصہ نے ''خلاصہ'' میں بیان کیا ہے کہ پانی کا پرندہ اگر تھوڑے پانی میں گر جائے تو اس بارے میں ابوحنیفہؒ سے دو روایات ہیں۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وہ پانی کو نجس نہیں کرے گا۔ اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ وہ پانی کو نجس کر دے گا۔''

اختلاف نمبر ۶۵

گھوڑے کا گوشت و جوٹھا

((واما سؤر الفرس فعن ابی حنیفةؒ فیه اربع روایات ذکرها فی المحیط ....فی روایة قال احب الی ان یتوضأ بغیره وهی روایة الثلجی عنه وفی روایة هو کسؤر الحمار مشکوك و فی روایة وهی روایة الحسن عنه ان کلحمه

مکروه وتحمل هذه الرواية على كراهة التحريم كما صححه صاحب الهداية فى لحمه ورواية الثلجى على كراهة التنزيه كما صححه البعض فى لحمه وفى رواية وهى رواية كتاب الصلوٰة انه طاهر بلا كراهة وهو الصحيح من مذهبه ......واما عندهما فهو طاهر بلاشك رواية واحدة لأنه ماكول اللحم عندهما وبه اى بكونه طاهراً اخذ بعض المشائخ بل كل المتأخرين)) (کبیری ص ۱۶۵)

''اور گھوڑے کے جوٹھے کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے چار روایات ہیں جنہیں امام سرخسی نے ''محیط'' میں ذکر کیا ہے۔ثلجی کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ امام صاحب نے کہا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہ ہے کہ گھوڑے کے جوٹھے کے علاوہ دوسرے پانی سے وضوء کیا جائے۔اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا گھوڑے کا جوٹھا گدھے کے جوٹھے کی طرح مشکوک ہے۔اور امام حسن بن زیاد کی بیان کردہ روایت کے مطابق آپ نے فرمایا گھوڑے کا جوٹھا اسکے گوشت کی طرح مکروہ ہے۔اور یہ روایت کراہت تحریمی پر محمول کی جائیگی جیسا کہ صاحب ہدایہ نے گھوڑے کے گوشت کے بارے میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔اور ثلجی کی روایت کراہت تنزیہی پر محمول کی جائیگی جیسا کہ بعض مشائخ نے گھوڑے کے گوشت کے بارے میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت جو کہ کتاب الصلوٰۃ کی روایت ہے،میں یہ ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا بلا کراہت پاک ہے۔اور یہی روایت آپ کے مذہب میں صحیح ہے۔ولیکن صاحبین سے ایک ہی روایت ہے کہ اسکا جوٹھا بلاشک پاک ہے۔کیونکہ گھوڑا ان کے مذہب میں ماکول اللحم یعنی حلال جانور ہے۔اور اسی کو بعض مشائخ بلکہ تمام متاخرین نے اپنایا ہے۔''

یعنی اس مسئلہ میں صاحبین سے تو ایک ہی حکم یا مذہب منقول ہے کہ گھوڑا حلال

اور اسکا جوٹھا پاک ہے مگر ابوحنیفہؒ سے چار حکم نقل کیے گئے ہیں۔ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا اور گوشت مکروہ تحریمی ہے اور اسی روایت کو صاحب ہدایہ نے صحیح کہا اور قبول کیا ہے۔مگر امام حلبی حنفی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ ابوحنیفہؒ کے مذہب کے بارے میں صحیح روایت وہ ہے جس میں گھوڑے کا جوٹھا بلا کراہت پاک کہا گیا ہے۔

اب جن حضرات نے ہدایہ کو اصح الکتب اور آخر الکتب کا درجہ دیکر سینے سے لگایا ہوا ہے' انہیں اپنا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔

اختلاف نمبر ٦٦

بلی کا جوٹھا

((و سؤر ما یسکن فی البیوت مثل الحیة والعقرب و الوزغة والفارة والدجاجة المخلاة والهرة مکروه............و عن ابی یوسفؒ ان سؤر الهرة غیر مکروه لحدیث کبشة))

(کبیری ص۱۶۵و۱۶۶)(قدوری مع التوضیح ص۹)(هدایه کتاب الطهارات)

"جو جانور یا حشرات گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ' بچھو' چھپکلی' پھرنے والی مرغی اور بلی' انکا جوٹھا مکروہ ہے۔لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک حدیثِ کبشہ کی وجہ سے بلی کا جوٹھا مکروہ نہیں ہے۔"

اختلاف نمبر ٦٧

گدھے اور خچر کا پسینہ

((عرق الحمار وکذا البغل طا هر عند ابی حنیفة فی الروایة المشهورة انما هو لاجل ان الروایات عنه مختلفة وهی روایة الطهارة لان الامامین یخالفانه کذا ذکره القدوری

......وقال شمس الأئمه الحلوائی عرق الحمار نجس الا انه جعل عفواً فی الثوب والبدن للضرورة وهو رواية عن ابی حنيفة ايضاً فانه روی عنه فيه ثلاث روايات)) (كبيری ص ۱٦۸)

''گدھے اور خچر کا پسینہ مشہور روایت میں ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہے۔ یہ اسوجہ سے کہا گیا ہے کہ آپ سے اس مسئلہ میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ یہ طہارت کی روایت ہے۔ کیونکہ دونوں امام یعنی صاحبین اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح ذکر کیا ہے قدوری نے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ گدھے کا پسینہ نجس ہے مگر کپڑے اور بدن کیلیے معاف کیا گیا ہے۔ اور یہ ابوحنیفہ کی بھی ایک روایت ہے۔ پس اُن سے اس مسئلے میں تین روایات ہیں۔''

امام ابوحنیفہ کی مختلف روایات کے بارے میں تو انکے مقلدین جانیں! جو تقلید شخصی یعنی ''ایک ہی عالم کی طرف رجوع'' کرنے کے پابند ہیں۔ البتہ مجھے جناب حلوائی صاحب کی اس بات پر سخت تعجب ہوا ہے کہ انہوں نے ایک طرف تو عرق الحمار کو نجس قرار دے دیا اور پھر فوراً اسے بدن اور کپڑوں کیلیے واگزار بھی فرمادیا۔ اگر شریعت میں گدھے کا پسینہ واقعی نجس ہے تو پھر اسے بدن وغیرہ کیلیے پاک قرار دینا یقیناً غلط اور شریعت سازی کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر شرع میں گدھے کے پسینہ سے بدن اور کپڑوں کو بچانیکی ترغیب یا تعلیم نہیں دی گئی اور ایسے کپڑوں اور بدن کے ساتھ نماز پڑھنے کی ممانعت بھی نہیں ملتی تو حلوائی صاحب نے عرق الحمار کو کس دلیل کی بنا پر نجس قرار دیا ہے؟

دعویٰ تو یہ ہے کہ مقلدین تقلید شخصی کی برکت سے مختلف قیل وقال اور خواہشاتِ نفسانیہ سے بچے ہوئے ہیں مگر اندر کا حال کچھ اور کہانی سنا رہا ہے۔ دلیل کے بغیر خالی دعویٰ آخر کب تک مقلدین کا بھرم قائم رکھے گا۔

نہ خوش ہو دیکھ کر ''آزاد'' پروانوں کی لاشوں کو
کبھی اے شمع تیری لاش بھی محفل سے نکلے گی

اختلاف نمبر ۶۸

گدھی کا دودھ

((ولبن الا تان ای الحمارة نجس فی ظاهر الروایة عن اصحابنا الثلاثة وروی عن محمدؒ فی النواد رانه طاهر ولکن لا یشرب وهو الصحیح ولم ارتصحیحه لغیر المصنفؒ بل فی الهدایة وکذا لبنه وعرقه لایمنع جواز الصلوٰة وان فحش قال فی الکفایة هذا فی العرق بحکم الروایات الظاهرة صحیح و اما فی اللبن فغیر صحیح ......وذکر الامام التمرتا شیؒ عن البزدویؒ یعتبر فی الکثیر الفاحش هو الصحیح و عن عین الائمة الصحیح انه نجس نجاسة غلیظة ......و فی فتاویٰ قاضیخان فی طهارة لبن الاتان روایتان انتهیٰ)) (کبیری ص۱۶۸)

''ہمارے تین اصحاب سے ظاہر الروایت میں ہے کہ گدھی کا دودھ نجس ہے۔اور امام محمد سے نوادر میں منقول ہے کہ وہ پاک ہے۔لیکن کھایا پیا نہیں جاتا اور یہی صحیح ہے۔اور میرے علم میں مصنف کے علاوہ کسی اور نے اسکی تصحیح نہیں کی۔بلکہ ہدایہ میں ہے کہ :اسی طرح گدھی کا دودھ اور پسینہ اگر کثیر فاحش بھی ہوتو مانع نماز نہیں ہے اور (ہدایہ کے شارح نے) کفایہ میں کہا کہ یہ (مذکورہ بالا حکم) روایات ظاہرہ کے حکم کی وجہ سے پسینے کے بارے میں تو صحیح ہے لیکن دودھ کے بارے میں صحیح نہیں ہے۔اور امام تمر تاشی حنفی نے امام بزدوی حنفی سے بیان کیا کہ اس میں کثیر فاحش کا اعتبار ہے اور یہی

صحیح ہے۔اور عین الائمہ سے مروی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے۔اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ گدھی کے دودھ کی طہارت کے بارے میں دو روایات پائی جاتی ہیں۔''

یعنی آخر تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوسکا بلکہ ایک دوسرے کی تردید وتغلیط میں ہی سارا وقت گزر گیا۔کسی نے پاک کہا اور کسی نے نجس، کسی نے نجاست خفیفہ سمجھا تو کسی اور نے نجاست غلیظہ قرار دے دیا۔یہ تفقہ ہے یا مجذوب ذہنوں کا واویلا۔آراء واہواء کی آوارگی کا عالم یہ ہے کہ مذہب کے ہر موڑ پر اپنوں سے ہی تصادم ہورہا ہے۔مگر اس مذہبی خودکشی کے باوجود الزام فریق مقابل کو دیا جارہا ہے کہ:''یہ لوگ ہوائے نفسانی کے پابند ہوکر اتنے مختلف ہوگئے'' (قطع الوتین از مفتی راندیر ص۱۹ جزء دوم)

سبحان اللہ! کیا اندازِ دلربائی ہے اور کیا رنگ ہے پارسائی کا۔

حقیقت کا چہرہ آخر کب تک تقلید شخصی کے آنچل میں چھپا رہے گا۔ذرا نقاب الٹ کر تو دیکھیے! آپ کو اپنے ہی مذہبی محاذ پر تڑپتے ہوئے لاشے نظر آئیں گے۔

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

اختلاف نمبر ٦٩

نجس تیل کو پاک کرنا

((روی عن ابی یوسف فی تطهیر الدهن النجس ای المتنجس انه اذا جعل الدهن فی اناء فصب علیه الماء فیعلو الدهن علیٰ وجه الماء فیرفع بشئی و یراق الماء ثم یفعل هکذا حتیٰ اذا فعل کذالك ثلث مرات یحکم بطهارة الدهن وعند محمد لا یطهر الدهن بوجه وقوله احوط وقول ابی یوسف اوسع)) (کبیری ص ١٧١)

''نجاست سے ملوث تیل (یا گھی وغیرہ) کے پاک کرنے کے بارے میں امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر تیل کو برتن میں ڈالکر اوپر سے پانی انڈیلا جائے اور تیل پانی کی سطح کے اوپر آ جائے تو تیل کو کسی چیز سے اتار کر پانی بہا دیا جائے۔اسی طرح تین بار کرنے سے تیل کے پاک ہوجانے کا حکم دیا جائیگا۔اور امام محمد کے نزدیک کسی طریقے سے بھی تیل کو پاک نہیں کیا جاسکتا۔امام محمد کا قول زیادہ احتیاط والا ہے اور ابو یوسف کاقول زیادہ آسانی اور گنجائش والا ہے۔''

☆ اب اسکا لازمی نتیجہ تو یہی ہونا چاہیے کہ آسانی کو چھوڑ کر زیادہ احتیاط والا مذہب اختیار کیا جائے۔مگر افسوس! کہ دوسروں کو تن آسانی کا طعنہ دینے والے خود احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔امام حلبی فرماتے ہیں:

((وقدذکروا ان الفتوٰی فیه علیٰ قول ابی یوسف مطلقا))

(کبیری ص ۱۷۱)

''اور مشائخ نے بیان کردیا ہے کہ اس میں فتویٰ علی الاطلاق ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔''

کتنے افسوس کی بات ہے کہ اگر اہل حدیث حدیثِ رسولؐ کی وجہ سے آٹھ رکعات نمازِ تراویح پڑھیں تو کام چور اور متبع نفس کہلائیں۔اور اگر مقلدین نجاست اور طہارت کے مسائل میں آسانی کی وجہ سے غیر محتاط فتوے جاری کریں تو مجاہدہ ءنفس اور اتباعِ شریعت کے تنہا وارث کہلائیں۔تلك اذاً قسمة ضیزیٰ کتنی بری تقسیم ہے۔

اختلاف نمبر ۷۰

پانی و مٹی کا مرکب (گارا)

((الماء والتراب اذااختلطا وکان احدهما نجساً فالطین الحاصل منهما نجس لان اختلاط النجس بالطاهر ینجسه

هذا هو الصحيح كما ذكره قاضيخان وهو اختيار الفقيه ابی الليث و كذا روى عن ابی يوسف ؒ ذكره فی الخلاصة وقيل العبرة للماء ان كان نجساً فالطين نجس والا فطاهر وقيل العبرة للتراب وقيل للغالب قال ابن الهمام والاكثر على انه ايهما كان طاهراً فالطين طاهر انتهٰى واختيار ابی نصر محمد بن سلام قال البزازی وهو قول محمد وقد ذكر ان الفتوىٰ عليه انتهٰى)) (كبیری ص ۱۸۶)

''اگر پانی اور مٹی مل جائیں اور ان میں سے ایک نجس ہو تو ان دونوں کا مرکب یعنی گارا وغیرہ نجس ہوگا۔ کیونکہ نجس کا پاک کے ساتھ ملنا پاک کو بھی نجس کر دیتا ہے۔ یہ ہے وہ فتویٰ جو صحیح ہے۔ جیسا کہ قاضی خاں نے کہا ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیث (حنفی) نے اختیار کیا ہے۔ اور اسی طرح ابو یوسفؒ سے مروی ہے جسے صاحبِ خلاصہ نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ پانی کا اعتبار کیا جائیگا۔ اگر پانی نجس ہوگا تو گارا نجس ہوگا اور اگر پانی پاک اور مٹی نجس ہوگی تو گارا پاک ہوگا۔ اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ مٹی کا اعتبار کیا جائیگا۔ اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں سے غالب چیز کا اعتبار ہوگا۔ اور امام ابن الہمام نے کہا کہ اکثر اس مذہب پر ہیں کہ ان دونوں میں جو بھی پاک ہو گارا پاک ہوگا۔ ابونصر محمد بن سلام نے اسی کو اختیار کیا ہے اور امام بزازی نے کہا کہ یہی امام محمد کا قول ہے۔''

اس مسئلے میں ائمہ و مشائخ احناف کے پانچ مذہب یا فتوے ہیں۔ ان میں سے تین مذاہب کے قائلین احناف کے نام ذکر نہیں کیے گئے۔ البتہ اول الذکر اور آخر الذکر مذہب کے قائلین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ''حسنِ اتفاق'' دیکھیے کہ ان دونوں میں کھلا تضاد اور اختلاف ہے۔ اول الذکر مذہب کے مطابق پانی اور مٹی میں سے کوئی ایک نجس اور کوئی ایک پاک ہو تو انکے مرکب کو نجس سمجھا جائیگا۔ اور آخر الذکر مذہب کے

مطابق پانی اور مٹی میں سے کوئی ایک نجس اور کوئی ایک پاک ہو تو دونوں کے مرکب کو پاک کہا جائیگا۔

پھر جذبہ عقیدت کی ارزانی کا حال یہ ہے کہ اول الذکر مذہب کو قاضیخاں' فقیہ ابونصر اور امام حلبی نے صحیح قرار دیکر قبول کرلیا ہے اور آخر الذکر مذہب کو امام ابن الہمام نے اکثریت کے حوالے سے صحیح قرار دیکر اپنالیا ہے۔

یقین جانیے! اب تقلید شخصی کے متوالے اسکے تقدس کا ڈھنڈورا پیٹتے پھریں تو انکی مرضی۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ آبروئے تقلید خود اسکے رکھوالوں نے سر بازار لٹوادی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۷

نجس مٹی کے برتن' نجاست کی راکھ اور سور وغیرہ کا نمک

((والطين النجس اذاجعل منه الكوز او القدر او غيرهما فطبخ يكون ذالك المعمول طاهراً......و لو احرقت العذرة والروث فصار كل منهما رماداً او مات الحمار فى المملحة وكذاان وقع فيها بعد موته وكذا الكلب والخنزيرلووقع فيها فصار ملحاً او وقع الروث ونحوه فى البئرفصار حماة زالت نجاسته وطهر عند محمد خلافاً لابى يوسف فان عنده الحرق لا يطهر العين النجسة بل يبقى الرماد نجساًلانه اجزاء تلك النجاسة فتبقى النجاسة من وجه فا لتحقت بالنجس من كل وجه احتياطاً واختارصاحب الهداية فى التجنيس قول ابى يوسف واكثرا لمشائخ اختارو اقول محمد و عليه الفتوىٰ......حتىٰ لو اكل الملح و صلي ذالك الرماد جاز)) (كبيرى ص۱۸٦)

"اگر نجس مٹی سے کوزہ یا ہنڈیا وغیرہما برتن بنا کر انہیں پکایا تو پاک ہو جائیں

گے۔اور اگر پاخانہ یا لید و گوبر جل کر راکھ بن گئی' یا گدھا نمکسار میں مر گیا یا مرنے کے بعد اس میں گر گیا اور اسی طرح کتا اور خنزیر نمکسار میں گر کر نمک بن گئے' یا لید گوبر اور اسی کی مثل کوئی دوسری چیز کنویں میں گر کر سیاہ کیچڑ بن گئی تو (ان سب کی) نجاست زائل ہوگئی اور وہ پاک ہوگئے امام محمد کے نزدیک' امام ابو یوسف کے خلاف۔کیونکہ ابو یوسف کے نزدیک جلانے سے نجاستِ عین پاک نہیں ہوتی بلکہ راکھ پہلے کی طرح نجس رہتی ہے۔کیونکہ وہ بھی اسی نجاست کے اجزاء ہوتے ہیں لہذا ایک طرح سے وہی نجاست باقی رہی۔پس وہ ہر لحاظ سے نجس شمار ہوگی۔صاحبِ ہدایہ نے ''التجنیس'' میں ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا ہے۔اور اکثر مشائخ نے امام محمد کا قول اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

حتیٰ کہ اگر وہ (گدھے'سوّر اور کتے والا) نمک کھایا اور اس (نجاست کی) راکھ پر نماز پڑھی تو جائز ہے۔

اگر اسی کا نام ''تقلید شخصی'' ہے تو مقلدین کو مبارک ہو کہ اسکی ''برکت'' سے بہت ساری ضرورتیں بغیر ہاتھ ہلائے پوری ہوگئیں۔انہیں انکی فقہ نے جو سہولیات بہم پہنچائی ہیں ان سے ضرور مستفیض ہونا چاہیے۔

نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم
کہ گفتارِ قلم باشد زرفتارِ قلم پیدا

اختلاف نمبر ۲۷

کنویں میں چوہا

((واذا وجد فی البئر فارۃ میتۃ او غیرھا و لا یدرون متی وقعت و لم تنتفخ و لم تنفسخ اعادوا صلوٰۃ یوم و لیلۃ اذا کانوا توضأوا منھا و غسلواکل شئی اصابہ ما ئھا وان

انتفخت او تفسخت اعاد واصلوٰۃ ثلاثۃ ایام و لیا لیھا فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ و قال ابویوسف و محمد رحمھما اللہ تعالٰی لیس علیھم اعادۃ شئی حتیّٰ یتحققوا متیٰ وقعت)) (قدوری ص۹)(ھدایہ کتاب الطہارات)

''اگر کنویں میں مردہ چوہا یا اسکی مثل کوئی دوسرا جانور پایا جائے اور لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ کب گرا تھا اور وہ ابھی پھولا یا پھٹا نہ ہو تو لوگ ایک دن اور رات کی نمازیں لوٹائیں' اگر وہ اسی کنویں کے پانی سے وضوء کرتے رہیں ہوں۔ اور ہر اس چیز کو دھوئیں جسے اس کنویں کا پانی لگا ہو۔ اور اگر پھول یا پھٹ گیا ہو تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں۔ یہ ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ لوگوں پر کچھ بھی اعادہ نہیں ہے جب تک انہیں یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ کب گرا تھا۔''

اس ''اتفاق'' کا حاصل یہ ہے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں صاحبین کے مذہب پر عمل کریں گے وہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں یقیناً تارک نماز کہلائیں گے

اختلاف نمبر ۳۷

وضوء یا تیمّم ؟

((وسؤر الحمار و البغل مشکوك فان لم یجد الانسان غیرہ توضأبہ و تیمم و بایھما بدآ جاز)) (قدوری)

((وقال زفر رحمہ اللہ لا تجوز البداءۃ با لتیمم لانہ لایجوزا لمصیر الیہ مع وجودماء واجب الاستعمال فصار کالماء المطلق)) (التوضیح الضروری ص۹)

''گدھے اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔ اگر آدمی کو اسکے علاوہ پانی نہ ملے تو اسی کے ساتھ وضوء کرلے اور تیمّم بھی کرلے۔ اور وضوء اور تیمّم میں سے جو پہلے

کرلے جائز ہے۔''

اور امام زفرؒ نے کہا کہ تیمّم سے ابتداء کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ واجب الاستعمال پانی کی موجودی میں تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔پس وہ (جوٹھا) ماء مطلق کی طرح ہے۔

☆ صاف ظاہر ہے کہ ماء مطلق کے استعمال پر قدرت رکھتے ہوئے تیمّم کرنا شرعی طور پر ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک احمقانہ فعل بھی کہلائے گا۔ادھر تو یہ حال ہے مگر دیگر ائمہ احناف کے مذہب میں اگر وضوء کے ساتھ تیمّم نہ کیا تو ایسے وضوء سے اس بیچارے کی نماز ہی ناجائز اور غلط سمجھی جائیگی۔

اب آپ ہی انصاف سے کہیے! کہ کیا یہی شیوہ ءحق گوئی و تقاضائے اتفاق ہے۔؟۔جواب دیتے وقت اپنے ضمیر کی آواز پہ ضرور دھیان رکھیے گا۔

نواقضِ وضوء

اختلاف نمبر ۴۷

بلغم

((فان قاء بلغماً فغیر ناقض عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف ناقض اذا قاء ملء الفم))

(ھدایہ کتاب الطھارات)(شرح وقایہ ص ۷۳)(کبیری ص ۱۲۷)

''پس اگر متوضی نے بلغم قے کیا تو وہ امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک وضوء توڑنے والا نہیں یعنی اگرچہ منہ بھر ہو۔اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ وہ وضوء توڑنے والا ہے جبکہ اس نے منہ بھر قے کیا ہو۔''

''اس اختلاف کا مرجع یہ کہ امام ابو یوسف کے نزدیک بلغم نجس ہے اور ان دونوں کے نزدیک نہیں۔ملخص عینی۔'' (عین الھدایہ ص ۴۵)

☆ بات یہیں تک ختم نہیں ہوجاتی بلکہ امام زفر اس مسئلے میں تینوں ''اصحاب'' کی مخالفت کررہے ہیں۔امام حلبی فرماتے ہیں:

((وقد خالف زفر فی اشتراط ملء الفم فی القئی وقال ینقض مطلقاً لاطلاق ما ورد انه علیه الصلوٰۃ والسلام قاء فتوضأ)) الخ (کبیری ص۱۲۷)(ھدایہ)

''یعنی امام زفر نے ناقضِ وضوء ہونے میں مل ءالفم کی شرط لگانے کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ قے ءمطلقاً ناقضِ وضوء ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی مطلق حدیث ہے کہ آپؐ نے قئی کی پس وضوء کیا۔''

اگر دل و دماغ کے کسی گوشے میں اب بھی عدل و انصاف کی کوئی اہمیت باقی ہے تو خدارا مجھے بتائیے کہ ایسی فقہ سے اتفاق اور یکسوئی کا سبق مل رہا ہے یا سطر سطر سے اتحاد اور وحدت کا خون ٹپک رہا ہے۔ اگر دل میں اتباعِ رسولؐ کی کوئی چنگاری موجود ہے تو للہ اسے شعلہ بننے دیجیے کہ یہی وہ نور ہے جس سے بے جان ضمیروں کو جلا ملتی ہے۔

اختلاف نمبر ۷۵

خون کی قئی

((وان صعد الدم من الجوف ......ان کان سائلاً فعلیٰ قول ابیحنیفۃؒ ینقض و ان لم یکن ملأ الفم و عند محمد لا ینقض مالم یکن ملأ الفم)) (کبیری ص۱۲۸)(ھدایہ)

''اگر خون معدے سے آئے' اگر بہنے والا ہو تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناقض ہے اگرچہ منہ بھر نہ ہو۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک جب تک منہ بھر کے نہ آئے ناقض نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۷۶

ملأ الفم کا اعتبار

((وھو یعتبر الاتحاد فی المجلس و محمد فی السبب

فیجمع ما قاء قلیلاً قلیلاً......اذا قاء قلیلاً قلیلاً بحیث لو جمع یبلغ ملأ الفم فابویوسف یعتبر اتحاد المجلس ای اذا کان فی مجلس واحد یجمع فیکون ناقضاً و محمد یعتبر ا تحاد السبب و ھو الغثیان فان کان بغثیان واحد یجمع فیکون ناقضاً......واتحادا لمجلس مع اختلاف الغثیان فیجمع عند ابی یوسف خلافاً لمحمد۔و اختلاف المجلس مع اتحاد ا لغثیان فیجمع عند محمد خلافاً لابی یوسف)) (شرح وقایہ ص ۷۳/ ۷۴)و (ھدایہ۔کتاب الطھارات)

"(اگر متوضی نے کئی بار ہر بار منہ بھر سے کم قے کی جو کہ ایسی حالت پر ہے کہ اگر جمع کردی جائے تو منہ بھر کی مقدار ہو تو ہر بار کی قے ناقض وضوء نہیں لیکن جمع کر کے ناقض ہے۔تو کیا جمع کی جائے گی یا نہیں' تو اس بارے میں صاحبین میں اختلاف ہے۔)"

پس امام ابو یوسف کے نزدیک مجلس کا متحد ہونا معتبر ہے اور امام محمد کے نزدیک سبب کا متحد ہونا معتبر ہے اور سبب ہے متلی۔ پس تھوڑی تھوڑی قے کو جمع کیا جائے گا۔اگر ایک ہی مجلس میں مختلف متلی کے ساتھ قے کی تو ابو یوسف کے نزدیک اسے جمع کیا جائے اگر منہ بھر کی مقدار جتنی ہو تو ناقض وضوء ہے۔لیکن امام محمد کے نزدیک ناقض نہیں۔اور اگر ایک ہی متلی سے مختلف مجلس میں تھوڑی تھوڑی قے کی تو امام محمد کے نزدیک جمع کی جائیگی اگر منہ بھر کی مقدار ہو تو ناقض وضوء ہے لیکن ابو یوسف کے نزدیک ناقض نہیں۔

یعنی خواہ مخواہ کی تعلیلات پیدا کر کے مذہب کو ایک چیستاں بنا دیا گیا ہے۔اگر "تقلید شخصی" کا قصیدہ پڑھنے کی بجائے براہِ راست اسوہء رسولؐ پر عمل کر لیا جائے تو اس قسم کی بھول بھلیاں اور قیل وقال راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔

اختلاف نمبر ۷۷

چھالے کی پیپ

((فان قشرت نفطة فسال منها ماء او صديدا وغيره ان سال عن راس الجرح نقض و ان لم يسل لا ينقض و قال زفر ينقض في الوجهين ......هذا اذا قشرها فخرج بنفسه و اما اذا عصرها فخرج بعصره فلا ينقض لانه مخرج و ليس بخارج)) (هدايه كتاب الطهارات)

''اگر چھالے کا چھلکا اتارا تو بہہ نکلا اس سے پانی یا پیپ یا اسکے علاوہ کوئی شے۔پس اگر زخم کے سَر سے بہہ نکلا ہوتو اس نے وضوے توڑ دیا۔اور اگر نہیں بہا تو ناقض نہ ہوگا۔اور امام زفر نے کہا کہ دونوں صورتوں میں ناقض وضوء ہے۔یہ حکم نقض اس صورت میں ہے کہ چھالے کو چھیل دیا تو مواد خود بخود بہہ نکلا ہے۔اور اگر خود نہ نکلا بلکہ جب اس چھالے یا زخم کو دبا کر نچوڑا پس اسکے نچوڑنے سے مواد نکلا تو وہ وضونہیں توڑے گا کیونکہ وہ خارج نہیں بلکہ خارج کیا گیا ہے۔''

دیکھا آپ نے !اتفاقی مجلس کے نمونے تو خیر آپ دیکھ ہی رہے ہیں اور آئندہ بھی دیکھتے رہیں گے‘اب ذرا فقہی ''بصیرت'' کی معراج بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔شریعت کے رمز شناسوں نے کس قدر باریک نکتہ ایجاد کیا ہے نقض اور عدمِ نقض میں۔کہ زخم سے خود بخود پیپ نکلے تو ناقض اور اگر خود دبا کر اسے نکالا جائے تو غیر ناقض۔سبحان تیری قدرت!شرعی دلیل سے قطع نظر جب آپ نے پیپ اور کچ لہو وغیرہ کو نجس قرار دے دیا تو وہ خود نکلے یا دبا کر نکالا جائے‘ آخر ان دونوں میں کیا جوہری فرق ہے۔اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کے نزدیک اگر ہوا خود بخود خارج ہوجائے تو ناقض اور اگر خود کوشش کرکے نکالی جائے تو غیر ناقض۔اگر آخری قعدہ میں قدرِ تشہد بیٹھنے کے بعد خود

بخود ہوا خارج ہوگئی تو نماز باطل اور اگر نمازی نے خود زور لگا کر خارج کردی تو ''تمت صلوٰتہٗ۔'' کیا یہی ہے وہ فقہ جسے شریعت کا ''عطر'' نہ ماننے والوں پر تند زبانوں کے تیشے چلائے جاتے ہیں؟

☆☆ غالبًا یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ احناف نے صاحب ہدایہ کے اس ''اجتہاد'' کو ٹھکرا دیا ہے۔ سیّد امیر علی حنفی فرماتے ہیں:

''علامہ انزاری امیر کاتب اتقانیؒ نے اپنی شرح غایۃ البیان میں کہا کہ فتاویٰ خلاصہ میں ہے کہ نچوڑ کر نکالنے کی صورت میں بھی نقضِ وضوء ہے اور ہمارے بعض مشائخ اسی پر ہیں اور یہی میرے نزدیک بھی مختار ہے۔''

(عین الہدایہ ص۵٦ وعمدۃ الرعایہ ص۷۰)

شرعی و علمی نکتہ نگاہ سے مذکورہ بالا دونوں مذہب چاہے کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں لیکن ہم ان مشائخ کی جرأت اور حوصلے کو بہر حال داد دیتے ہیں جنہوں نے اپنی ''کالقرآن'' کتاب کی بھی تکذیب کر ڈالی ہے۔

اختلاف نمبر ۷۸

دانتوں کے خلال سے خون نکلنا

((اذا اعصر القرحه فتجا وز مکان بحال لو لم یعصر لم یتجاوزه و کذا اذا عضَّ شیئاً ا و خلَّل اسنانه او ادخل اصبعه فی انفه فرای اثرالدم او استنثر فخرج من انفهٖ الدم علقاً علقاً مثل ا لعدس لا ینقض عندنا خلافاً لزفر))

(شرح وقایہ ص۷۰)

''اور اسی طرح اگر زخم نچوڑا گیا پس اس کا مواد اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا بحالیکہ اگر نہ نچوڑا جاتا تو اپنے مخرج سے تجاوز نہ کرتا اور اسی طرح اس نے کسی چیز کو دانتوں سے کاٹا یا اپنے دانتوں میں خلال کیا یا اپنی انگلی اپنی ناک

میں ڈالی پس خون کا نشان دیکھا یا اسنے ناک صاف کی اور اسکی ناک سے مسور کی دال برابر خون کے لوتھڑے نکلے تو ان سب صورتوں میں ہمارے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا زفر کے خلاف۔یعنی زفر کے نزدیک ان تمام صورتوں میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔"

اور ان مشائخ کے نزدیک بھی ٹوٹ جاتا ہے جن کے نزدیک مطلقاً خروجِ نجاست ناقض وضوء ہے۔اور یہی اختلاف مخرج سے تجاوز کرنے کے بارے میں ہے۔یعنی اگر زخم سے خون نکلے لیکن اپنے مخرج سے خود بخود تجاوز نہ کرے تو صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں:

((لا ینقض الوضوء عند نا وینقض عند زفر))

"یعنی ہمارے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا اور زفر کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔"

مشائخ احناف کا یہ ڈھنگ بھی عجیب ہے کہ امام زفر کو ویسے تو "اصحاب ابی حنیفہ" میں شمار کرتے ہیں لیکن جب وہ کسی مسئلہ میں ان سے متفق نہ ہوں تو انہیں "عند نا" سے بھی خارج کر دیا جاتا ہے۔ورنہ کہہ سکتے تھے کہ "ہمارے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا سوائے زفر کے۔"

آج تک ہم حنفی مقلدین سے یہ سنتے آئے ہیں کہ وضوء کے بعد دانتوں میں خلال نہیں کرنا چاہیے کہ مبادا خون نکل آئے۔کیونکہ اس طرح وضوء ٹوٹ جاتا ہے لیکن صاحبِ شرح وقایہ کا "عندنا" تو کچھ اور کہہ رہا ہے۔کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ یہاں دیگر ائمہ و مشائخ کے مذہب کو چھوڑ کر امام زفر کی "تقلیدِ شخصی" کی جا رہی ہے؟۔بینوا و توجروا!

اختلاف نمبر ۷۹

مفضاۃ کی ریح

((وان خرج الریح من المفضاۃ و ھی التی انقطع الحجاب بین قبلھا و دبرھا فا تصل المسلکان فعن محمدؒ یجب

علیها الوضوء و به اخذ ابو حفص البخاری للاحتیاط و ذکر فی جامع قاضیخان و کذا فی الهدایة و غیرها و هو قول الکرخی انه یستحب لها ان تتوضأ......و قیل ان کان مسموعا اومتقنا نقض و الافلا و فی الخلاصة و لو خرج من الدبر ریح یعلم لم یکن من الاعلیٰ فهو اختلاج لا وضوء علیه)) (کبیری ص ۱۲۳)

''ایسی عورت جس کی دونوں شرم گاہوں کے درمیان والا پردہ پھٹ گیا اور دونوں راستے مل گئے ہوں اس کی ہوا خارج ہوتو امام محمد کے نزدیک اس پر وضوء واجب ہے۔اور اسی کو اختیار کیا ابو حفص بخاری نے احتیاطاً۔اور قاضیخان کی جامع صغیر اور اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے اور یہی امام کرخی کا قول بھی ہے کہ اس عورت کیلیے وضوء کرنا مستحب ہے۔اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ اگر ہوا سنائی دے یا اسکو یقین ہوتو وضوء ٹوٹ گیا ورنہ نہیں۔ اور امام طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری حنفی نے خلاصۃ الفتاویٰ میں کہا کہ اگر دبر سے ہوا خارج ہو اور وہ جانتا ہو کہ اوپر سے نہیں آئی تو یہ اختلاج ہے اس پر وضوء نہیں ہے۔''

یعنی امام محمد کے نزدیک تو ایسی عورت کا وضوء ٹوٹ گیا لہذا اس پر وضوء کرنا واجب ہوگیا۔مگر صاحب ہدایہ' قاضیخاں اور امام کرخی کے نزدیک اس عورت کا وضوء نہیں ٹوٹا لہذا اس عورت پر وضوء کرنا واجب نہیں البتہ اسے بطورِ استحباب وضوء کرلینا چاہیے۔اور اس ضمن میں تیسرا مذہب یہ ہے کہ اگر ہوا خارج ہونے کی آواز سنائی دے یا [illegible]نیرہ کے ذریعے یقین ہوجائے تب نقضِ وضوء کا حکم دیا جائیگا ورنہ نہیں۔

اور چوتھے مذہب میں صاحبِ خلاصہ نے تو حد ہی کردی ہے کہ اگر مرد کی دبر سے ہوا خارج ہو اور اسے علم ہو کہ یہ اوپر سے نہیں تو یہ طبیعت کا خلجان ہے۔لہذا شخص مذکور پر وضوء کرنا لازم نہیں ہے۔

ہمیں اس موقع پر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا کہ مقلدین حضرات اگر اب بھی اہلِ حدیث کو عدمِ تقلید کی بنا پر مجتہد بننے اور اتباعِ نفس کا طعنہ دیتے ہیں تو انہیں پہلے اپنی طبیعت عالیہ کا خلجان دور کرالینا چاہیے۔ پھر دوسروں پر اعتراض کی فکر کرنی چاہیے۔ شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر ☆ خود عمل تیرا ہے صورت گر تری تصویر کا

اختلاف نمبر ۸۰

نماز میں سو جانا

((وان کان الرجل خارج الصلوٰۃ فنام علیٰ ھیئۃ الساجد ففیه اختلاف بین المشائخ قال ا بن شجاع انما لایکون حدثاً فی ھذہ الاحوال فی الصلوٰۃ اما خارج الصلوٰۃ فیکون حدثاً و الیه مال المصنف حتیٰ قال و ظاھر المذھب انه یکون حدثاً وھو موافق لمافی فتاویٰ قاضیخان اذا نام خارج الصلوٰۃ علیٰ ھیئۃ الرکوع و السجود قال شمس الائمه یکون حدثاً فی ظا ھر الروایۃ لکنه مخالف لما فی الخلاصۃ حیث قال فی ظا ھر المذھب لافرق بین الصلوٰۃ و خارج الصلوٰۃ و کذا فی الکفایۃ وقال فی الھدایۃ ھو الصحیح یعنی عدم الفرق))

(شرح منیه معروف بکبیری ص۱۳۶)

"اگر آدمی نماز سے باہر ہو اور سجدے کی حالت میں سو جائے تو اس میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن شجاع ثلجی (فقہ میں حسن بن زیاد کے شاگرد) نے کہا کہ نماز میں ان حالتوں (رکوع وسجود) میں سو جانا حدث یعنی ناقض وضوء نہیں ہے۔ البتہ نماز سے باہر ان حالتوں میں نیند ناقض وضوء ہے۔ اور اسی مذہب کی طرف مصنف کا میلان ہے۔ حتی کہ انہوں نے کہا کہ

ظاہر مذہب میں یہ حدث ہے اور یہی موافق ہے اس مذہب کے جو فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص نماز سے باہر رکوع وسجود کی حالت میں سو گیا تو تو شمس الائمہ نے کہا کہ ظاہر الروایت میں ناقض وضوء ہے۔ لیکن یہ مذہب اسکے مخالف ہے جو ''خلاصہ'' میں ہے کہ صاحب خلاصہ نے کہا ظاہر مذہب میں نماز اور خارج نماز میں کوئی فرق نہیں ہے''

اور ''کفایہ'' میں اسی طرح ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی یعنی عدمِ فرق کو صحیح قرار دیا ہے۔

یعنی ابن شجاع، قاضی خاں اور شمس الائمہ کے بقول ظاہر الروایۃ میں نماز اور خارج نماز میں فرق کیا گیا ہے۔ کہ اگر نماز سے باہر قیام، قعود، رکوع وسجود کی حالتوں میں نیند آ گئی تو وضوء ٹوٹ گیا۔ اور اگر نماز کے اندر انہی حالتوں میں نیند آ گئی تو وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ مگر صاحبِ خلاصہ، صاحبِ کفایہ اور صاحبِ ہدایہ ان تینوں صاحبان کے بقول ظاہر الروایۃ میں دونوں صورتوں کی نیند میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ یعنی نماز سے باہر یا نماز کے اندر درج بالا حالتوں میں نیند آ جائے تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔

اب مقلد غریب کیلیے بے موت مر جانے کا مقام ہے کہ سمجھے تو کیا سمجھے اور کرے تو کیا کرے۔ جب ظاہر مذہب کا یہ حال ہے تو جو ''ظاہر'' نہیں ہے اس کا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ ع

ستعلم لیلیٰ ای دین تدا ینت
و ای غریم فی التقاضی غریمھا

اختلاف نمبر ۸۱

سجود تلاوت وشکر میں نیند

((قال فی الخلاصۃ نام فی سجدۃ التلاوۃ لایکون حَدُثًا......و فی سجدۃ الشکر کذالك عند محمدؒ و ھکذا

روی عن ا بی یوسفؒ سوآء سجد علیٰ وجه السنة او علیٰ غیر وجه السنة ......و عند ابی حنیفة یکون حدثاً وفی سجود السهو لایکون بحدثاًانتهیٰ)) (کبیری ص ۱۳۷)

''امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری حنفی نے ''خلاصہ'' میں کہا کہ اگر کوئی شخص سجدہ تلاوت میں، سوجائے تو (سب کے نزدیک)وضوء نہیں ٹوٹے گا۔اور اگر سجدہ شکرادا کرتے وقت سو گیا تو امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے یعنی وضوءنہیں ٹوٹتا۔اور ابو یوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ خواہ مسنون طریقے سے سجدہ کرے یا غیرمسنون طریقے سے (یعنی بازو زمین پر بچھادے اور پیٹ کو رانوں پر ٹکادے) کسی حالت میں بھی سو جائے وضوءنہیں ٹوٹتا۔اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ شکر میں سوجائے تو وضوءٹوٹ جائے گا اور سجدہ سہو میں سو جائے تو وضوءنہیں ٹوٹے گا۔''

سجدہ شکر اور سجدہ سہو کی نیند میں کیا فرق ہے اور اس فرق کی کیا شرعی دلیل ہے،مقلدین اگر اس راز سے پردہ اٹھاسکیں تو از راہِ شفقت ہمیں ضرور مطلع فرمائیں۔

اختلاف نمبر۸۲

نیند کی ایک اور صورت

((وان نام قاعداً او واضعاً ا لیتیه علی عقبیه او واضعاً بطنه علی فخذیه لا ینتقض وضوئه ذکره محمدؒ فی صلوٰة الاثر وقد قد منا ان الصحیح قول ابی یوسف فیما اذا کان الیتاه علی عقبیه وبطنه علی فخذیه)) (کبیری ص ۱۳۷)

''اور اگر سو گیا بیٹھ کر (چوکڑی مار کر یا کسی بھی حالت میں بیٹھا) یا اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھ کر یا اپنے پیٹ کو اپنی رانوں پر رکھکر' تو اسکا وضوءنہیں ٹوٹے گا۔اسے بیان کیا امام محمدؒ نے صلوٰۃ الاثر میں۔اور ہم پہلے بتا چکے ہیں

کہ صحیح قول ابو یوسفؒ کا ہے اس صورت میں کہ جب اسکی سرین اسکی ایڑیوں پر اور اسکا پیٹ اسکی رانوں پر ہو (تو وضوء ٹوٹ جائیگا۔)''

یعنی اس مسئلہ میں بھی ائمہ احناف کا اختلاف ہے۔البتہ امام حلبی نے ابو یوسف کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

اختلاف نمبر۸۳

نیند میں گر جانا

((وان سقط النائم نوماً لا ينقض ينظر ان انتبه بعد ما سقط على الارض فعليه الوضوء و عن ابى حنيفة ان انتبه عند اصابة الارض بلا فصل لم ينتقض وضوئه وعن ابى يوسف انه ينتقض و ان انتبه قبل السقوط فلا وضوء عليه وعن محمد ان زايل مقعده الارض قبل ان ينتبه انتقض وضوئه وان انتبه قبل ان يزايل مقعد الارض لم ينتقض هكذا ذكره فى الخلاصة)) (کبیری ص ۱۳۸)

''اگر سونے والا ایسی نیند میں گر پڑا جو فی نفسہ ناقض نہیں ہے تو ابھی انتظار کیا جائیگا کہ اگر وہ زمین پر گرنے کے بعد بیدار ہوا تو اس پر وضوء واجب ہے۔اور ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اگر زمین کو پہنچتے وقت جاگ پڑا تو اس کا وضوء نہیں ٹوٹا۔اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ وضوء ٹوٹ جائیگا۔اور اگر وہ گرنے سے قبل جاگ پڑا تو اس پر وضوء نہیں ہے۔اور امام محمد سے روایت ہے کہ جاگنے سے قبل اگر اسکی مقعد زمین سے ہٹ گئی تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا اور اگر وہ زمین سے مقعد ہٹ جانے سے قبل جاگ پڑا تو وضوء نہیں ٹوٹا۔اسی طرح بیان کیا ہے ''خلاصہ'' میں۔''

یعنی امام ابو حنیفہؒ کی روایت میں نقضِ وضوء کیلیے زمین پر گرنا شرط ہے مگر

ابو یوسف کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔اور امام محمد کے نزدیک مقعد کا زمین سے فقط زائل ہونا شرط ہے' گرنا انکے نزدیک بھی شرط نہیں ہے۔اب اگر مسئلے کی عملی صورت دیکھنی ہوتو صاحبِ خلاصہ کا یہ بیان پیشِ خدمت ہے۔فرماتے ہیں:

((قال والفتویٰ علی روایة ابی حنیفة ثم قال قال شمس الائمة الحلوائی ظاهر المذهب عن ابی حنیفةؒ کما روی عن محمدؒ قیل و هو المعتمد سواء سقط اولا انتهیٰ)) (ایضاً)

فرماتے ہیں فتویٰ ابو حنیفہؒ کی روایت پر ہے (یعنی نقضِ وضوء کیلیے گرنا شرط ہے) پھر کہا کہ شمس الأئمہ حلوائی نے کہا کہ ابوحنیفہ سے ظاہر مذہب وہ ہے جو امام محمد سے روایت کیا گیا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ وہی اعتماد کے لائق ہے خواہ گرے یا نہ گرے برابر ہے (یعنی نقضِ وضوء کیلیے گرنا شرط نہیں ہے۔)

حیرت کی بات ہے کہ ایک ہی مسئلے میں ان حضرات کی سوچ کا رخ کس قدر بے قاعدہ اور منتشر ہے۔ایک لمحے میں فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ فتویٰ ابوحنیفہ کی روایت پر ہے اور دوسرے ہی لمحے میں مفتیٰ بہا روایت کو غیر ظاہر اور غیر معتمد قرار دیا جاتا ہے۔جب حلوائی صاحب کے بقول یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابوحنیفہؒ سے ظاہر وہ مذہب ہے جو امام محمدؒ سے روایت کیا گیا ہے اور یہی لائقِ اعتماد بھی ہے تو پھر فتویٰ بھی اسی پر دیا جانا چاہیے تھا' نہ کہ غیر معتمد مذہب پر۔شاید ''عن ابی حنیفہ'' کے الفاظ نے کچھ سوچنے اور سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔واللہ اعلم

اختلاف نمبر ۸۴

نماز میں نیند' نیند میں قہقہہ

((وان نام فی صلوٰته ثم قهقهَ فسدت صلوٰتهٗ ولا ینقض وضوئه ذکره فی الاصل کذا فی عامة الفتاویٰ وقال فی الخلاصة هو المختار ......وقال فی المحیط فسدت صلوٰته

و وضوئه وبه اخذ عامّة المتأخرين ......وعن ابی حنیفة تکون حدثاً ولا تفسد الصلوٰة فیتوضأ اذا انتبه و یبنی علی صلوٰته ......و الذی اختاره فخر الاسلام فی الاصول و صححه من بعده من الاصولیین انها لا تفسد الصلوٰة و لا الوضوء)) (کبیری ص ۱۴۰)

''اور اگر نمازی اپنی نماز میں سو گیا پھر اس نے قہقہہ مارا تو اسکی نماز فاسد ہوگئی اور وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ اسکو امام محمد نے ''اصل'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح عامہ فتاویٰ میں ہے اور ''خلاصہ'' میں کہا کہ یہی مختار ہے۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے ''محیط'' میں کہا کہ اسکی نماز بھی فاسد ہو جائیگی اور وضوء بھی ٹوٹ جائیگا۔ اور اسی کو عامہ متاخرین (مشائخ وغیرہ) نے قبول کیا ہے۔ اور ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وضوء تو ٹوٹ جائیگا اور نماز فاسد نہیں ہوگی۔ پس وہ آدمی دوبارہ وضوء کرلے اور اسی نماز پر بنا کرلے۔ اور وہ مذہب جسے شیخ الاسلام نے اختیار کیا ہے اور ان سے بعد والے اصولی علماء نے جسکی تصحیح کی ہے یہ ہے کہ اس آدمی کی نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ وضوء ٹوٹے گا۔''

یعنی اس مسئلے میں ائمہ و مشائخ احناف کے چار مذہب ہیں۔

- ❀ پہلا یہ ہے کہ نماز فاسد اور وضوء باقی۔ عامہ فتاویٰ میں یہی مذہب پایا جاتا ہے اور صاحبِ خلاصہ کے بقول یہی مختار ہے۔
- ❀ دوسرا یہ ہے کہ نماز بھی فاسد اور وضوء بھی ٹوٹ گیا۔ یہ متاخرین مشائخ کا مذہب ہے۔
- ❀ تیسرا یہ ہے کہ وضوء ٹوٹ گیا اور نماز فاسد نہیں ہوئی۔ یہ ابوحنیفہؒ سے مروی ہے
- ❀ چوتھا یہ ہے کہ نماز بھی صحیح اور وضوء بھی نہیں ٹوٹا۔ یہ شیخ الاسلام اور بعد والے اصولی حنفی حضرات کا ہے۔

اب حنفی مقلدین ہی یہ عقدہ حل فرمائیں کہ یہاں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید شخصی کے وجوب کی عملی صورت کیا ہے؟۔

اگر کوئی شخص حدیثِ رسولؐ اللہ پر عمل کرے تو متبعِ نفس کہلائے اور اگر حنفی حضرات ایک ایک مسئلے میں چار چار فتوے اور مذہب اختیار کرتے رہیں تو پھر بھی متبع شریعت کہلائیں!

دوسرے اتباعِ رسولؐ کرنے پر بھی گردن زدنی ٹھہریں اور وہ خود دین و مذہب کا حلیہ بگاڑ کر بھی گنگا جمنی کہلائیں۔ایں چہ بوالہوسی است۔

مذہب واعتقاد کی سب سے بڑی ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اپنی فقہ کے دامن میں اتنا تضاد اور انتشار سمیٹنے کے باوجود یہ حضرات احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں ''اضطراب'' اور ''تضاد'' کے متلاشی رہتے ہیں۔گھر کے اماموں کے بارے میں عقیدت کا عالم یہ ہے کہ انہیں غلطی سے بھی پاک اور منزہ باور کروایا جا رہا ہے۔مگر امام الائمہ امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو مختلف حیلوں سے کبھی مضطرب اور کبھی خلافِ قرآن کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے۔مگر یاد رکھیے کہ جب خود اپنی آستینوں سے لہو ٹپکنے لگے تو پھر کسی اور کو قاتل کہنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔

اختلاف نمبر ۸۵

مباشرتِ فاحشہ

((والمبا شرة الفاحشة الا عند محمد وهى ان يُماسَّ بدنهٗ بدن المراة مجردين و انتشر آلتهٗ و تماس الفرجان))

(شرح وقایہ ص۷۷)

((تنقض الوضوء عندهما خلافاً لمحمد كذا فى القنية))

(عمدۃ الرعایہ ص۷۷)

''اور مباشرت فاحشہ ناقض وضوء ہے مگر امام محمد کے نزدیک نہیں ہے۔اور

مباشرت فاحشہ یہ ہے کہ مرد کا جسم عورت کے جسم سے اس طرح ملے کہ دونوں ننگے ہوں اور مرد کا آلہ تناسل انتشار کی حالت میں ہو۔اور دونوں کی شرم گاہیں آپس میں مل جائیں۔ایسی صورت میں ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔''

ائمہ احناف کے اس اختلاف میں ہمارے قارئین کو توقع ہی نہیں بلکہ یقین ہوگا کہ ایسی فحش جنسی صورت میں تو فقہ حنفی نے لازماً وضوء ٹوٹ جانے کا فتویٰ جاری کیا ہوگا۔مگر ع: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

میں نہایت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں کہ فقہ کے اجارہ داروں نے یہاں امام ابوحنیفہؒ کی بجائے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور مباشرت فاحشہ کو ناقض وضوء نہیں ٹھہرایا۔صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

☆ ''اور زاد ونصاب میں ہے کہ قول امام محمد صحیح ہے اور ''مضمرات'' میں ہے کہ یہی اصح ہے اور ''ینابیع'' میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے التاتارخانیہ۔''

(عین الہدایہ ج اص ۴۷)

یعنی ع:

رند کے رند رہے نہ جنت ہاتھ سے گئی

اختلاف نمبر ۸۶

احلیل میں تیل ڈالنا

((وان اقطر الدهن فی احلیله فعاد فلا وضوء علیه عند ابی حنیفةؒ خلافاً لهما ذکره فی الاجناس))

(منیة المصلی مع کبیری ص ۱۲۴)

''اور اگر کسی شخص نے اپنے عضو کے سوراخ میں تیل کے قطرے ڈالے پھر وہ واپس باہر نکلے تو ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا وضوء نہیں ٹوٹتا۔اور صاحبین کے

نزدیک اسکا وضوء ٹوٹ جائیگا۔ اسکو بیان کیا 'اجناس' میں۔"

تیمّم

اختلاف نمبر ۸۷

کن چیزوں سے تیمّم جائز ہے

(ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمد بکل ماکان من جنس الارض کالتراب و الرمل والحجر والجص والنورة والکحل وا لزرنیخ وقال ابو یوسف لایجوز الا بالتراب والرمل)) (ھدایہ کتاب الطھارات)(شرح وقایہ ص ۹۸)

"اور تیمّم جائز ہے امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک ہر ایسی چیز کے ساتھ جو زمین کی جنس سے ہے۔ جیسے مٹی' ریت' پتھر' گچ' چونا' سرمہ اور ہڑتال۔ اور امام ابو یوسف نے کہا کہ تیمّم جائز نہیں مگر مٹی اور ریت سے۔"

"لیکن اس قول سے امام ابو یوسف نے رجوع کیا ہے۔ اول انکا یہ قول تھا پھر کہا کہ سوائے تراب خالص کے تیمّم جائز نہیں ہے جیسا معلیؒ نے انکا آخر قول و رجوع روایت کیا ہے جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ ملخص عینی و فتح القدیر۔"

(عین الہدایہ ج ۱ ص ۱۴۶)

یعنی طرفین کا مذہب یہ ہے کہ جنسِ زمین سے تعلق رکھنے والی ہر چیز سے تیمّم جائز ہے مگر ابو یوسفؒ کے مذہب میں سوائے خالص مٹی کے کسی اور چیز سے تیمّم جائز نہیں ہے انکی دلیل قرآن مقدس کی آیت فَتَیَمَّمُوا صَعِیداً طَیِّباً ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حدیثِ رسولؐ (لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ ا لکِتَابِ) کے مقابلے میں وَاِذَا قُرِءَ ا لقُرآنُ الخ پڑھنے والے امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مقابلے میں بھی قرآن پڑھتے ہیں یا نہیں۔

اختلاف نمبر ۸۸

غبار سے تیمّم

((وکذا یجوز بالغبار مع ا لقد رة علی الصعید عند ابی حنیفة و محمد لانه تراب رقیق)) (هدایه کتاب الطهارات)

''اور اسی طرح غبار سے تیمّم جائز ہے باوجودیکہ مٹی سے تیمّم کرنے پر قدرت حاصل ہو۔ امام ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک۔ کیونکہ غبار باریک مٹی ہے۔''

''اسی طرح اگر کتے یا سور کی پیٹھ پر تیمّم کیا غبار سے جس کے بال خشک ہیں تو امام کے نزدیک جائز ہے۔ ع۔ اگر اجنبی عورت کے چہرہ پر ہاتھ مارا ظاہر ہوا کہ اس پر غبار ہے تو اس غبار سے تیمّم جائز ہے۔ اگر صعید تراب پر قدرت نہ ہو تو اس وقت غبار سے ابو یوسف کے نزدیک بھی جائز ہے۔'' (عین الہدایہ ص ۱۴۷)

خلاصہ یہ ہوا کہ صعید مٹی پر قدرت حاصل ہو تو ابو یوسف کے مذہب میں غبار سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور طرفین کے مذہب میں جائز ہے۔

أئمہ احناف کا اختلاف تو اپنی جگہ پر رہا البتہ مجھے ایوانِ حنفیت کے ''تختِ خدائی'' پہ بیٹھنے والے مشکل کشاؤں پر تعجب ہے کہ انہوں نے کتنی جرأت سے کتے اور سور کی پیٹھ کو بھی تیمّم کا محل بنالیا ہے۔ یعنی ان کے ہاں فتیمموا صعیداً طیباً کی بجا آوری کتے اور سور کی پیٹھ تھپتھپانے سے بھی ہوسکتی ہے۔ اور پھر اس فتوے کو اپنی ذات پر منطبق کرنے کیلیے مقلدین کا طریقہ تعمیل کیا ہوگا؟۔

آدمی کو بالعموم اپنے گھر یا حضر میں تو اس قدر مجبوری کا سامنا نہیں ہوتا کہ اسے تیمّم کیلیے کتا یا سور تلاش کرنا پڑے۔ رہا سفر کا معاملہ تو ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ اسے کسی جنگل میں سفر کرتے ہوئے نماز کا وقت آ پہنچا۔ تو کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ اسے تیمّم کرنے کیلیے جنسِ زمین میں سے کوئی چیز میسر نہیں آئے گی سوائے کتے اور سور کی پیٹھ کے؟۔ اس فتوے میں کہیں یہ جذبہ تو کارفرما نہیں ہے کہ جب نمک بن جانے والے کتے اور سور کو کھایا جاسکتا ہے تو ان کی پیٹھ سے تیمّم کر لینے میں آخر حرج ہی کیا ہے۔

پھر اجنبی عورت کے چہرے پہ ہاتھ مار کر تیمّم کرنے کی اجازت تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ آخر اپنی عورت کے چہرے پر بھی تو ہاتھ مارا جا سکتا ہے۔ پھر اجنبی عورت کی چھوٹ کس لیے؟۔ اور پھر اس قسم کے تیمّم کیلیے ماحول بھی سازگار ہونا چاہیے۔ جہاں صرف اکیلی اجنبی عورت ہو اور دوسرا تیمّم کرنے والا یہ حنفی بھائی!

ایسی عبادت کے خشوع و خضوع کے کیا کہنے جسکی ابتداء ہی اجنبی عورت کے چہرے پر ہاتھ مارنے سے ہوئی ہو۔ کسی نے شاید ایسے نمازیوں کے بارے میں ہی کہا تھا

یہ صوفی صفت لوگ شب کو نجانے
کہاں جا رہے ہیں وضوء کے بہانے

اختلاف نمبر ۸۹

نیت

((وا لنیّة فرض فی ا لتیمم و قال زفر لیست بفرض))

(ہدایہ کتاب الطہارات) (شرح وقایہ ص ۹۹)

''اور نیت فرض ہے تیمّم میں۔ اور امام زفر نے کہا کہ فرض نہیں ہے۔''

''خود سوچیے''! کہ امام زفر جو متقدمین ''اصحاب'' میں سے ہیں' کے نزدیک تیمّم میں نیت کرنا فرض نہیں ہے۔ انکے مذہب کے مطابق تیمّم کر کے پڑھی ہوئی نماز ''عندنا'' دربارِ شاہی میں یقیناً مردود و باطل سمجھی جائیگی۔ کیونکہ جب تیمّم میں ہی فرض کو ترک کر دیا گیا تو اس سے ادا شدہ نماز کس طرح شرفِ قبولیت حاصل کر سکتی ہے۔

اختلاف نمبر ۹۰

نصرانی کا تیمّم

((فان تیمم نصرانی یریدبه الاسلام ثم اسلم لم یکن متیمماً عند ابی حنیفة و محمد و قال ابو یوسف هو متیمم)) (هدایه

کتاب الطھارات)(شرح وقایہ ص۹۹)

''پس اگر عیسائی نے تیمّم کیا ارادہ اس سے اسلام کا ہے۔یعنی اس نیت سے کہ تیمّم کے ساتھ اسلام لائے۔پھر اسلام لے آیا تو امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک وہ متیمم ہوا ہی نہیں۔اور امام ابو یوسف نے کہا کہ وہ متیمم ہے۔''

اس اختلاف کا نتیجہ اس وقت نکلے گا جب وہ نومسلم اس تیمّم سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ابو یوسف کے نزدیک تو اسکی نماز صحیح ہوگی کیونکہ شخصِ مذکوران کے نزدیک محدث نہیں ہے۔مگر طرفین کے نزدیک اسکی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ انکے نزدیک شخصِ مذکور حالتِ حدث میں یعنی بغیر طہارت کے نماز پڑھ رہا ہے۔

اختلاف نمبر۹۱

مرتد کا تیمّم

((فان تیمم مسلم ثم ارتد والعیاذ با للہ ثم اسلم فھو علی تیممہٖ وقال زفر یبطل تیممہٗ لان الکفر ینافیہ))

(ھدایہ کتاب الطھارات)

''اگرکسی مسلمان نے تیمّم کیا پھر العیاذ باللہ وہ مرتد ہوگیا پھر اسلام لے آیا تو اسکا تیمّم برقرار ہے۔اور امام زفر نے کہا کہ اسکا تیمّم باطل ہوجائیگا کیونکہ کفر اسکے منافی ہے۔''

اس اختلاف کا ثمرہ بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔یعنی نماز و دیگر عبادات جن میں طہارت شرط ہے'زفر کے نزدیک ناجائز اور باقی ائمہ احناف کے نزدیک جائز ہیں۔

اختلاف نمبر۹۲

جنبی کا تیمّم

((ولو خاف الجنب ان اغتسل ان یقتلہ البرد او یمرضہ تیمم

بالصعید و ھذا اذا کان خارج المصر لما بینا۔ ولو کان فی المصر فکذلک عند ابی حنیفة خلافاً لھما ھما یقولان ان تحقق ھذہ الحالة نادر فی المصر فلا یعتبر)) (ھدایہ کتاب الطھارات)

''اور اگر جنبی کو یہ خوف ہو کہ اگر اس نے غسل کیا تو سردی اسے مار ڈالے گی یا بیمار کردے گی تو وہ مٹی سے تیمّم کرلے۔ یہ رخصت اسوقت ہے جب وہ شہر سے باہر ہو۔ بوجہ اسکے جو ہم نے بیان کیا۔ اور اگر شہر میں ہو تو یہی حکم ہے ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں (صاحبین) کے خلاف۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ شہر میں ایسی حالت کا متحقق ہونا نادر ہے تو اسکا اعتبار نہ ہوگا۔''

یعنی شہر میں رہتے ہوئے اگر جنبی کو مذکورہ بالا خوف لاحق ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسے غسل کی بجائے تیمّم کرنے کی رخصت ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک رخصت نہیں ہے۔

عجیب بات ہے کہ شہر سے باہر بیماری یا موت کا خطرہ ہو تو تیمّم جائز، اور اگر یہی خطرہ شہر کے اندر ہو تو بے شک موت کو گلے لگالینا چاہیے۔ چہ خوب فقہ است

۰ اختلاف نمبر ۹۳

مریض کا تیمّم

''اگر اس (مریض) کے پاس کوئی خادم ہے یا اس قدر دسترس کہ اجرت پر المثل پر مزدور کرلے یا کوئی اور ایسا شخص ہے کہ اگر اس سے مدد چاہے تو وہ مدد دیدے تو ظاہر المذہب کے موافق اسکو تیمّم روا نہیں کیونکہ اسکو قدرت حاصل ہے۔ الدر من البحر۔ اس کو فتح القدیر وغیرہ میں بھی ذکر کیا اور یہ بقول صاحبین ہے اور امامؒ کے نزدیک تیمّم جائز ہے۔'' (عین الھدایہ ص ۱۳۸)

اختلاف نمبر ۹۴

زخمی کا تیمّم

((وان کان الشقاق فی یدہٖ و یعجز عن الوضوء استعان بالغیر لیوضیه فان لم یستعن و تیمم جاز خلافاً لھما))

(شرح وقایه ص۱۱۷)(کبیری ص۱۱۷)

''اگر آدمی کے ہاتھ میں پھٹن یعنی زخم ہواور وہ وضوء کرنے سے عاجز ہوتو وہ کسی دوسرے سے مدد طلب کرے تاکہ وہ اسے وضوء کرائے۔اگر اس نے مدد نہ مانگی اور تیمّم کرلیا تو (امام کے نزدیک) جائز ہے صاحبین کے خلاف۔''

یعنی وضوء کرانے کیلیے کسی دوسرے شخص سے مدد طلب کرنا صاحبین کے نزدیک واجب ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں ہے۔اب جس شخص نے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تیمّم کرکے نماز پڑھی' وہ یقیناً صاحبین کے مذہب کے مطابق ناجائز اور باطل ہوگی۔پھر یہ اختلاف فقط تیمّم تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ☆علامہ عبدالحی حنفی فرماتے ہیں:

((قال فی المنیة و شرح الغنیة..........و علی ھذا الخلاف اذا کان لایقدر علی الاستقبال او علی التحول عن النجاسة ووجد من یوجھهٗ ویحولهٗ تجب علیه الاستعانة عند ھما لا عندہ)) (عمدۃ الرعایه ص۱۱۷)

''منیہ اورشرح غنیّۃ میں کہا کہ اس اختلاف کی بناپر یہ اختلافات بھی ہیں کہ اگرکوئی شخص قبلہ کی طرف رخ کرنے کی طاقت نہیں رکھتایا نجاست سے ہٹ جانے پر قادر نہیں ہے اوراس کے پاس ایسا شخص موجود ہے جو اسے قبلہ رخ کھڑا کرے یا نجاست سے ہٹائے۔تو صاحبین کے نزدیک اس نمازی پر واجب ہے کہ اس شخص سے مدد طلب کرے۔اورامام ابوحنیفہ کے نزدیک قبلہ

رُخ ہونے یا نجاست سے ہٹنے کیلیے موجود شخص سے مدد طلب کرنا واجب نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ٩٥

مسافر کا تیمّم

((والمسافر اذا نسی الماء فی رحلهٖ فتیمم و صلی ثم ذکر الماء فی الوقت لم یُعد صلوٰتهٗ عند ابی حنیفة و محمد وقال ابو یوسف یُعید))

(قدوری ص ١٢)(شرح وقایه ص ١٠٧)(هدایه کتاب الطهارات)

''اور مسافر جب بھول گیا پانی اپنے کجاوے میں پس اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی۔ پھر ابھی وقت باقی تھا کہ اسے پانی یاد آ گیا (کہ کجاوے میں موجود ہے) تو وہ نماز نہ لوٹائے ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک۔ اور ابو یوسف نے کہا کہ وہ (وضوء کر کے) نماز لوٹائے۔''

اختلاف نمبر ٩٦

رفیقِ سفر سے پانی طلب کرنا

((وان کان مع رفیقهٖ ماء طلب منه قبل ان یتیمم ......ولو تیمم قبل الطلب اجزاه عند ابی حنیفة ......وقالا لا یجزیه لان الماء مبذول عادةً)) (هدایه کتاب الطهارات)

''اور اگر اسکے رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو تیمّم سے پہلے اس سے طلب کرے۔ اور اگر اس نے رفیق سے مانگنے سے قبل تیمّم کر لیا تو ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو کافی ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ بغیر مانگے اسکو تیمّم روا نہیں ہے کیونکہ پانی ازراہِ معمول دیدیا جاتا ہے۔''

"عینی" نے لکھا کہ اظہر یہ کہ مانگنا واجب ہے کیونکہ پانی کچھ بڑی چیز نہیں ہے تنویر میں اسکو ظاہر الروایۃ قرار دیا۔" (عین الہدایہ ج ا ص ۱۵۸)

اب اس اختلاف کے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ کو یہاں اجتہاد میں شدید غلطی لگی ہے اور انہیں "اظہر" مذہب کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔ یا یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ صاحب ہدایہ نقل مذاہب میں اس قدر ناواقف اور غیر معتبر واقع ہوئے ہیں کہ انہیں اپنے مذہب کی "ظاہر الروایۃ" کا بھی علم نہیں ہے۔

امام زفر کا تو ہمیں معلوم نہیں البتہ پانچویں مجتہد کا مذہب ابھی باقی ہے۔ وہ بھی سن لیں۔ یعنی ایک اور "مصیبت" ابھی آپ کی منتظر ہے۔ ملاحظہ ہو:

((وفی موضع آخر من المبسوط انه ان کان مع رفیقه ماء فعلیه ان یسأله الاعلیٰ قول حسن بن زیاد فانه یقول السوال ذل وفیه بعض الحرج ولم یشرع التیمم الالدفع الحرج))

(شرح وقایہ ص ۱۰۱)

"یعنی مبسوط کے ایک اور مقام پر ہے کہ اگر اسکے رفیق کے پاس پانی ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس سے پانی مانگے۔ مگر امام حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ مانگنا ذلت ہے اور اس میں کچھ تکلیف بھی ہے۔ حالانکہ تیمّم نہیں مشروع کیا گیا مگر حرج اور تکلیف دور کرنے کے واسطے۔ (تو اب اگر پانی مانگے تو تیمّم کی مشروعیت کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔)"

لیجیے! جس سوال کو 'ظاہر' اور 'اظہر' روایۃ میں واجب کہا گیا ہے' اسکو شاگرد رشید نے 'ذلت' قرار دیا ہے۔ یعنی: ع: ۔ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

اختلاف نمبر ۹۷

پانی پر قبضہ اور تیمّم

((واما اذا قال هذا الماء لکم و قبضوا لا ینقض

تیممهم......ثم ان اباحوا واحداً بعینه ینقض تیممهٗ عند هما لا عند ہٗ)) (شرح وقایه ۱۰۶)

''(صاحب شرح وقایہ فرماتے ہیں کہ اباحت اور تملیک سے پانی کے استعمال پر قدرت ثابت ہوجاتی ہے لہذا اسی اصول پر مسائل کا استخراج کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اگر پانی کے مالک نے کہا کہ یہ پانی تمہارا ہے اور وہ لوگ اس پر قابض بھی ہوگئے تو ان کا تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔ اور اگر انہوں نے کسی ایک کو اس پانی کے استعمال کی رخصت دے دی تو اس شخص کا تیمّم باطل ہوجائیگا صاحبین کے نزدیک۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شخصِ مذکور کا تیمّم باطل نہیں ہوگا۔''

اختلاف نمبر ۹۸

پانی پر نائم کی قدرت

((والنا ئم عند ابی حنیفة ؒ قاد ر تقدیرا حتیّٰ لومر النائم المتیمم علی الماء بطل تیممهٗ عنده)) (هدایه کتاب الطهارات)

''اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو شخص نیند میں ہے وہ تقدیراً پانی پر قادر ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تیمّم کر کے حالتِ تیمّم میں اسی طرح سوتا ہوا سوار چلا (کہ ایسے سونے سے تیمّم وطہارت نہیں جاتی ہے یا جنابت کے تیمّم کی حالت میں پانی سے گزرا گیا) گیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا تیمّم ٹوٹ گیا۔'' اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ معذور وعاجز ہے تو صاحبینؒ کے قول پر اس کا تیمّم نہیں ٹوٹا۔'' (عین الہدایہ ص ۱۵۲)

فقہ حنفی کی کاملیت ملاحظہ فرمایئے! کہ مالک کے قبضہ دلانے کے باوجود جاگنے والے افراد پانی کے استعمال پر قادر نہیں ہوئے لہذا ان میں سے کسی کا تیمّم باطل نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کوئی سوتا ہوا پانی کے قریب سے گزر جائے تو وہ پانی کے استعمال پر قادر ہے

لہذا اس کا تیمّم باطل ہے۔ ہوسکتا ہے بوقت ''ضرورت'' مقلدین حضرات امام ابوحنیفہ کی تقلید چھوڑ کر صاحبین کی ''تقلید شخصی'' سے فائدہ اٹھالیتے ہوں۔ کیونکہ وہ بہرحال انکے اپنے ہی ہیں۔ اور بوقتِ ضرورت اپنے ہی کام آتے ہیں۔

من از بے گانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں دوست کرد

اختلاف نمبر ۹۹

نمازِ عید اور تیمّم

((اذا شرع فی صلوٰة العید متوضئا ثم سبقه الحدث ویخاف انه ان توضأ یفوتهٗ الصلوٰة جاز له ان یتیمم للبناء وھذا عند ابی حنیفةؒ خلافاً لھما))

(شرح وقایہ ص۹۶۔۹۷)(ھدایہ کتاب الطھارات)

''اگر ایک شخص نے وضوء کر کے نمازِ عید شروع کی پھر دورانِ نماز اسکا وضوء ٹوٹ گیا۔ اور اسے خوف ہے کہ اگر اس نے وضوء کیا تو اس کی نمازِ عید فوت ہوجائے گی' تو اس کیلیے جائز ہے کہ وہ تیمّم کر لے اور نماز جاری رکھے۔ ابو حنیفہ کے نزدیک' صاحبین کے خلاف۔''

یعنی صاحبین کے مذہب میں اس شخص کے لیے تیمّم کرنا جائز نہیں بلکہ وضوء کرنا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس بیچارے کی نماز ہر حال میں فوت ہوکر رہیگی۔ اگر وضوء کرنے بیٹھے تو صاف ظاہر ہے۔ اور اگر تیمّم کرے تو بھی 'یارانِ مجلس' کے نزدیک فوت ہی ہے کیونکہ اس نے بغیر وضوء نماز پڑھی۔

اختلاف نمبر ۱۰۰

مسح علی الجوربین

((ولا یجوز المسح علی الجوربین عند ابی حنیفة الا ان

یکونا مجلّد ینِ او منعّلینِ وقالا یجوز اذا کانا ثخینین لا یشفان لما روی ان النبی علیه السلام مسح علی جوربیه))

(هدایه کتاب الطهارات)(قدوری ص ۱۴)

”جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے ابوحنیفہ کے نزدیک۔ مگر جب انکے اوپر و نیچے یا صرف نیچے چمڑا لگا ہوا ہو۔ اور صاحبین نے کہا کہ خالی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے۔ جب دونوں جرابیں موٹی ہوں باریک نہ ہوں۔ واسطے اس حدیث کے کہ نبی علیہ السلام نے جرابوں پر مسح کیا۔“

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب چھوڑ کر صاحبین کے مذہب کی طرف رجوع فرمالیا تھا۔ اگر یہ بات سچ ہے تو ماننا پڑے گا کہ قدوری اور ہدایہ جنہیں مقلدین نے عقیدت کے آسمان پر چڑھا رکھا ہے' غیر معیاری اور غیر معتبر کتابیں ہیں۔ بہرحال حقیقت جو بھی ہو اس مسئلے میں فتویٰ صاحبین کے مذہب پر دیا جاتا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۰۱

مسح علی الخفین

((ولا یجوز المسح علی خف فیه خرق کثیر یتبین منه قدر ثلٰث اصابع من اصابع الرِجل وان کان اقل من ذالك جاز وقال زفر والشافعی لایجوز)) (هدایه کتاب الطهارات)

”اور مسح جائز نہیں ہے ایسے موزے پر جو زیادہ پھٹا ہوا ہو۔ کہ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار پاؤں ظاہر ہوتا ہو۔ اور اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے۔ اور امام زفرؒ و شافعیؒ نے کہا کہ تین انگلیوں کی مقدار سے کم ہو تو پھر بھی جائز نہیں ہے۔“

اختلاف نمبر١٠٢

لباس کی طہارت

قے اورخون کے بارے میں فقہائے احناف فرماتے ہیں:

((فاذا اصاب الثوب لا یمنع جواز الصلوٰۃ به و ان فحش فزاد علی ربع الثوب و کذا اذا وقع فی الماء القلیل لا ینجسه وهو الصحیح خلافاً لمحمد)) (کبیری ص ١٣٤)

"اگر کپڑے کو قے یا خون اتنا لگ جائے کہ کپڑے کے چوتھے حصے سے بھی زیادہ ہوتو وہ مانع نماز نہیں ہے۔اسی طرح اگر تھوڑے پانی میں گر جائیں تو اس کو بھی ناپاک نہیں کرتے۔اوریہی مذہب صحیح ہے امام محمد کے خلاف۔"

یعنی امام محمد کا مذہب صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ ان چیزوں کو مانع نماز سمجھتے ہیں اور پانی میں پڑ جائیں تو انکے نزدیک اسکو بھی ناپاک کردیتے ہیں۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو بڑے فخر سے "مجلسِ تدوینِ فقہ" کی کہانیاں سنایا کرتے ہیں۔جن میں ایک بادشاہ ہوتا ہے۔کچھ اسکی کابینہ کے اراکین اور کارندے وغیرہ ہوتے ہیں۔جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے تو بادشاہ کی سربراہی ونگرانی میں سب مل جل کر مقدمہ سنتے اور اسکے مالہ وماعلیہ پرغوروفکر کرتے ہیں۔ہفتوں اورمہینوں کی سوچ وبچار اور بحث وتمحیص کے بعد کہیں جاکر متفقہ فیصلہ ہوتا ہے۔اور پھر اسے درجِ رجسٹر کرلیا جاتا ہے۔اور اس کہانی کا سب سے دلچسپ موڑ یہ ہے کہ یہ ساری کاروائی کسی کنویں میں بیٹھ کر کی جاتی تھی اسلیے آج نہ وہ رجسٹر ملتا ہے اور نہ ان فیصلہ جات کی کوئی مستند نقل دستیاب ہوتی ہے۔

اختلاف نمبر١٠٣

نماز اور نجاست

((ثوب اصابه نجاسة اقل من قد ر الدرهم فنفذت الیٰ

بطانته فصار من قدر الدرهم يمنع ذالك جواز الصلوٰة عند محمد و عند ابی یوسف لا یمنع)) (کبیری ص۱۷۱)

''ایک کپڑے کو درہم سے کم مقدار میں نجاست لگی پس وہ کپڑے کے اندر تک نفوذ کرگئی اور درہم کی مقدار ہوگئی تو امام محمد کے نزدیک وہ مانع نماز ہے۔(یعنی اسکے ساتھ نماز نہیں پڑھی جاسکتی)اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ مانع نماز نہیں ہے۔(یعنی اسکے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔''

اختلاف نمبر۱۰۴

کپڑا اور مردہ چوہا

((رجل صلى فی ثوب محشو فلما اخرج حشوه وجد فيه فأرة ميتة يابسة فالحكم انه ان كان فی ذالك الثوب ثقب او خرق يعيد صلوٰته ثلاثة ايام و ليا ليها هذا عند ا بی حنيفة واما عند هما فا نه لا يعيد شئيا ما لم يتحقق متىٰ ما تت فی الثوب)) (کبیری ص۱۹۵)

''ایک آدمی نے ایک ایسے کپڑے میں نماز پڑھی جو اندر سے کسی چیز (روئی وغیرہ) سے بھرا ہوا تھا۔جب اس نے اندر بھری ہوئی چیز نکالی تو اس نے اس میں ایک مرا ہوا خشک چوہا پایا۔اب اسکا حکم یہ ہے کہ اگر اس کپڑے میں سوراخ یا پھٹن تھی تو وہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین دن اور راتوں کی نمازیں لوٹائے۔اور صاحبین کے نزدیک وہ کوئی نماز نہیں لوٹائے گا جب تک اسے یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہوجائے کہ چوہا کب کپڑے میں مرا تھا۔''

اختلاف نمبر۱۰۵

نجاست پر نماز

((وذكر شمس الائمه السرخسیؒ انه ان كانت النجاسة فی

موضع الکفین والرکبتین جازت صلوٰتہٗ لان وضع الیدین والرکبتین فی السجود لیس بفرض بل ھو سنۃ عند نافلا یشترط طھارۃ موضعھا وکان وضعھا علی النجاسۃ کعدمہٖ وھو غیر مفسد ......قال المصنف والصحیح ان یقال ان کان یعنی النجس فی موضع رکبتیہ لا تجوز صلوٰتہ)) (کبیری ص۱۹۹)

''اور شمس الائمہ سرخسی (صاحبِ مبسوط) نے کہا کہ اگر ہتھیلیوں اور گھٹنوں کی جگہ پر نجاست ہو تو اسپر نماز پڑھنا جائز ہے۔کیونکہ سجدے میں ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ وہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔تو ان کی جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے لہذا انکو نجاست پر رکھنا' نہ رکھنا ایک جیسا ہے۔اور وہ غیر مفسد ہے۔(منیہ کے) مصنف نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر گھٹنے رکھنے کی جگہ پر نجاست ہو تو اسکی نماز جائز نہیں ہے۔''

تالیف ِ ہذا میں مقصودِ اصلی چونکہ اَئمہ احناف کے فقط اختلافات نقل کرنا ہے۔اسلیے مجھے انکے دلائل یا تعلیلات وغیرہ سے کچھ غرض نہیں ہے ورنہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے تقدس اور مرتبے کی اسقدر تذلیل پر کوئی مسلمان خاموش نہیں رہ سکتا۔اختلاف تو رہا اپنے مقام پر' مگر کیا احناف کے ''شمس الائمہ'' کے نزدیک سنت کی یہی اہمیت ہے کہ اس کیلیے طہارت اور نجاست کا بھی کوئی فرق ملحوظ نہ رکھا جائے؟

کس قاعدے اور دلیل سے یہ ''حکم نامہ'' جاری کیا گیا ہے کہ دورانِ نماز جن اعضاء کو زمین پر رکھنا سنت ہے ان کیلیے جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے؟۔

قرآن مقدس نے تو پیغمبر کو بھی نماز کیلیے ہر قسم کی نجاست سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (مدثر)

''(اے پیغمبر) اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔''

اور ادھر دار الافتاء کے مسند نشینوں کا حال یہ ہے کہ ہتھیلیوں یا گھٹنوں کے رکھنے کیلیے نجس جگہ کو کالمعدوم قرار دے رہے ہیں۔ کیا یہی وہ فقہ ہے جسکو قبول نہ کرنے والوں کیلیے طرح طرح کے الزامات اور گندے القاب تراشے گئے ہیں۔

یہاں تک آپ کی تعظیم کردی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

اختلاف نمبر ۱۰۶

نجس ٹاٹ پر نماز

((ولو کان علی اللبد نجاست فقلب و صلی علی وجه الثانی تجوز صلوٰته وقال ابویوسف لا تجوز صلوٰته و به اخذ بعض المشائخ ومنهم شمس الائمه حلوا ئی))

(کبیری ص۲۰۱)

''اگر ٹاٹ یا نمدے پر نجاست ہوتو اسکو پلٹ کر دوسری طرف نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔ اور ابو یوسف نے کہا کہ جائز نہیں ہے۔ اور اسی کو اختیار کیا بعض مشائخ نے۔ اور شمس الائمہ حلوائی انہی میں سے ہیں۔''

یعنی اکثر ائمہ و مشائخ نے تو نجس ٹاٹ کی دوسری جانب نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے۔ البتہ بعض مشائخ نے ابو یوسف کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے جائز نہیں کہا۔

اختلاف نمبر ۱۰۷

نجس کپڑے سے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ

((ان الرجل اذا صلی العشاء بثوب ثم نزعهٗ و صلی الوتر بثوب آخر ثم تبین لهٗ بعد ذا لك ان الثوب الذی صلی به العشاء کان نجساً و ان العشاء فاسدة فانه یعید العشاء دون الوتر عند ابی حنیفة خلافاً لهما)) (کبیری ص۲۲۸)

''ایک آدمی نے عشاء کی نماز پڑھی ایک کپڑے سے پھر اسکو اتاردیا اور دوسرے کپڑے سے وتر پڑھے۔پھر بعد میں اسے پتہ چلا کہ جس کپڑے سے اس نے عشاء کی نماز پڑھی تھی وہ نجس ہے اور عشاء فاسد ہے۔تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ صرف عشاء کی نماز دوبارہ پڑھے۔صاحبین کے خلاف۔''

صاحبین کے نزدیک نمازِ عشاء اور وتر دونوں لوٹائے۔ع:

ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

حیض

اختلاف نمبر ۱۰۸

کم از کم مدت

((اقل الحیض ثلا ثة ایام و لیالیها وما نقص من ذالك فهو استحاضة ......وعن ابی یوسف انه یومان والاکثر من الیوم الثالث)) (هدایه کتاب الطهارات)(شرح وقایه ۱۲۱)

''حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔اور ابو یوسف سے ہے کہ حیض کی کم از کم مدت دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے۔''

اختلاف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کر لیجیے کہ حیض کی حالت میں نماز معاف ہے اور استحاضہ کی صورت میں نماز پڑھنا فرض ہے۔

اختلاف نمبر ۱۰۹

عادتِ حیض

((ولو کان عادتها خمسة فرات فی شهر ستة ثم استمر الدم

فی الشھر الثانی رُدَّ ت الی الخمسۃ عندھما والی الستۃ عند ابی یوسف)) (التوضیح الضروری ص۱۶)

''اگر عورت کی عادت پانچ دن کی تھی۔ پھر اس نے ایک مہینے چھ دن خون دیکھا۔ پھر دوسرے مہینے اسی طرح خون جاری رہا تو طرفین کے نزدیک پانچ دن حیض کے شمار کیے جائیں گے اور باقی استحاضہ ہوگا۔ اور ابو یوسف کے نزدیک چھ دن حیض کے ہی شمار ہونگے۔''

اختلاف نمبر ۱۱۰

بلا عادت اختلافِ مدت

((فلو رات الدم خمسۃ فی شھر ثم احد عشر فی الشھر الثانی کان خمسۃ حیضاً فی الشھر الثانی والباقی استحاضۃ عند ابی یوسف وکان العشرۃ حیضاً عند ابی حنیفۃ و محمد)) (ایضاً ص۱۶)

''اگر عورت نے ایک مہینے پانچ دن خون دیکھا پھر دوسرے مہینے گیارہ (۱۱) دن دیکھا۔ تو امام ابو یوسف کے نزدیک دوسرے کے مہینے کے پانچ دن حیض شمار ہوگا اور باقی چھ دن استحاضہ شمار ہونگے۔ اور طرفین کے نزدیک دوسرے مہینے کے دس (۱۰) دن حیض شمار ہونگے اور ایک دن استحاضہ میں شمار ہوگا۔''

اختلاف نمبر ۱۱۱

مستحاضہ وغیرہا کا حکم

والمستحاضۃ و من بہ سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذی لایرقأ یتوضأون لوقت کل صلوٰۃ ویصلون بذالك الوضوء فی الوقت ما شاء من الفرا ئض والنوافل

فاذ اخرج الوقت بطل وضوءهم))

(قدوری ص۱۶)(هدایه باب الحیض والاستحاضه) (شرح وقایه ص۱۳۵)

((هذا عند ابی حنیفة و محمدؒ وقال زفر یبطل بد خول الوقت وقال ابویوسف یبطل بکل واحد منهما......وثمرة الخلاف تظهر فی موضعین احدهما اذا توضأوا بعد طلوع الشمس لهم ان یصلوا به الظهر عند هما وعند ابی یوسف وزفر لیس لهم ذالك والثانی اذا توضأوا قبل طلوع الشمس انتقض طهارتهم بطلوع الشمس عندهم وعند زفرلا تنقض ۱۲ازیلعی ملخصاً))

(التوضیح الضروری ص۱۶) (کبیری ص۱۳۲) (ہدایہ باب الحیض والاستحاضہ)

''مستحاضہ اور جس آدمی کو پیشاب نہ تھمنے کا مرض ہو اور جسکو دائمی نکسیر ہو اور جسکے ایسا زخم ہو جسکا خون نہیں رکتا تو یہ لوگ ہر نماز کے وقت کیلیے وضوء کریں۔پس اس وضوء سے وقت کے اندر فرائض ونوافل میں سے جو چاہیں پڑھیں۔اور جب وقت نکل گیا تو ان معذوروں کا وضوء باطل ہوجائیگا۔اور یہ ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک ہے۔اور زفر نے کہا کہ وقت خارج ہونے سے وضوء باطل نہیں ہوگا بلکہ اگلی نماز کا وقت شروع ہونے سے باطل ہوگا۔اور ابویوسف نے کہا کہ دونوں میں سے کوئی ہو یعنی خروجِ وقت ہو یا دخولِ وقت ہو معذور کی طہارت باطل ہوجائیگی۔''

اس اختلاف کا نتیجہ دومقامات پر ظاہر ہوتا ہے۔اول یہ کہ اگر انہوں (معذوروں) نے طلوع آفتاب اور زوال سے قبل وضوء کیا تو جب ظہر کا وقت داخل ہوگا اور کسی نماز مفروضہ کا وقت خارج نہ ہوگا تو ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک وہ اسی وضوء سے ظہر کی نماز ادا کرسکتے ہیں۔مگر ابویوسف اور زفر کے نزدیک ظہر کا وقت شروع ہوتے ہی انکا وضوء باطل ہوجائیگا۔لہذا وہ اسی وضوء سے ظہر کی نماز نہیں پڑھ سکتے۔اور دوسرا مقام یہ

ہے کہ اگر انہوں نے طلوعِ آفتاب سے قبل وضوء کیا تو سورج طلوع ہونے پر ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک وقت خارج ہونے سے انکا وضوء ٹوٹ گیا۔اور اسی طرح ابو یوسف کے نزدیک بھی۔اور زفر کے قول پر چونکہ کسی مفروضہ نماز کا وقت شروع نہیں ہوا فلھٰذا انکی طہارت باقی رہے گی اور وضوء نہیں ٹوٹے گا۔

تو یہ ہے احناف کے ''اصحابِ اربعہ'' کے ''اتفاق'' کی ایک ادنیٰ مثال! یہ اُس کابینہ (Jury) کے ارکان ہیں جسکے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا تھا۔اختلاف بین ائمۃ الاحناف ایک اٹل حقیقت ہے اور یہ ایک اندھی عقیدت ہے۔

اختلاف نمبر ۱۱۲

نفاس کی مدت

((من ولدت ولد ین فی بطن واحد فنفاسها ماخرج من الدم عقیب الولد الاول عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالیٰ وقال محمد وزفر رحمهما الله تعالیٰ من الولد الثا نی)) (قدوری ص ۱۷)

''جس عورت نے ایک ہی پیٹ سے دو بچے جنے تو اسکا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد آئے۔اور امام محمدؒ و زفرؒ کے نزدیک اس عورت کا نفاس وہ خون ہے جو دوسرے بچے کے بعد آئے۔''

اختلاف نمبر ۱۱۳

حائضہ' نفساء اور جنبی کی قرأت

((ولا تقرء کجنب و نفساء سواءً کان آیة اوماد ونهاعند الکرخی وهو المختار وعند الطحاوی تحل مادون الآیة هذا اذا قصدت القراء ة ......والمعلمة اذا حاضت فعند الکرخی نعلّم کلمة کلمة وتقطع بین الکلمتین و عند

الطحاوی نصف آیۃ وتقطع ثم تعلّم النصف الآخر واما دعاء القنوت فیکرہ عند بعض المشائخ وفی المحیط لا یکرہ)) (شرح وقایہ ص ۱۳۰)

''اور حائضہ عورت جنبی اور نفاس والی کی طرح قرات قرآن نہ کرے۔ برابر ہے آیت ہو یا اس سے کم امام کرخی کے نزدیک۔ اور یہی مختار ہے۔ اور امام طحاوی حنفی کے نزدیک قرات کی نیت سے آیت سے کم پڑھ سکتے ہیں۔ اور معلّمہ کو حیض آجائے تو امام کرخی کے نزدیک ایک ایک کلمہ کر کے پڑھائے اور دونوں کلموں میں وقفہ دے۔ اور امام طحاوی کے نزدیک آدھی آیت پڑھائے اور پھر وقفہ کر کے بقیہ آدھی آیت پڑھائے۔ ولیکن دعائے قنوت پڑھنا مکروہ ہے اور 'محیط' میں ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۱۴

کتابتِ قرآن

((وا ما کتابۃ المصحف اذا کان موضوعاً علیٰ لوح بحیث لایمسّ مکتوبہ فعند ابی یوسف یجوز وعند محمد لا یجوز)) (شرح وقایہ ص ۱۳۱)

''اور قرآن کی اس طرح کتابت کرنا کہ مکتوب کو جنبی یا حائضہ اور نفساء کا ہاتھ نہ لگے تو ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۱۵

آستین سے قرآن کو چھونا

علامہ عبدالحی حنفی شرح وقایہ کی عبارت ''و کرہ بالکم'' کی شرح میں فرماتے

ہیں:

((وکرہ ای تحریماً بالکُم من ثیاب البد ن لکونھا تبعاً للبدن للماس و ھذ ا ھو الذی صححه فی الھدایة وذکر فی الخانیة انه ظاھر الروایة و ذکر فی ا لمحیط وا لکافی انه لا یکرہ عند جمھور ا لمشا ئخ))

(عمدۃ الرعایہ ص۱۳۱)

''اور مکروہ تحریمی ہے بدن والے کپڑوں کی آستین سے چھونا۔ کیونکہ آستین چھونے والے (جنبی یا حائضہ یا نفساء) کے بدن کے تابع ہے۔ یعنی وہ بھی بالتبع ناپاک ہے۔ اور یہ وہ مذہب ہے جسکی تصحیح صاحب ہدایہ نے کی ہے اور فتاویٰ خانیہ میں جسے ظاہر الروایۃ کہا گیا ہے۔ مگر شمس الائمہ نے محیط میں اور امام حاکم شہید نے کافی میں بیان کیا ہے کہ جمہور مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔''

کس کا یقیں کیجیے کس کا یقیں نہ کیجیے
لائے ہیں بزمِ ناز سے یار خبر الگ الگ

ستر اور نماز

اختلاف نمبر ۱۱۶

ننگے نماز پڑھنا

((وان کانت النجا سة فی الحا لة المذکورة بالثوب ولیس له ما یستر عورته غیرہ فا نه ینظر ان کان ا قل من ربع ا لثوب طاھراً فھو بالخیار عند ابی حنیفة وابی یوسف ان شاء صلی به وان شاء صلی عریا ناً ....و عند محمد و زفر

والثلاثة يصلي به في الوجهين ولا يجوز له ان يصلي عرياناً ولو كان جميع الثوب نجساً))

(کبیری ص ۱۹۵)(ہدایہ کتاب الطہارات)

''اور اگر حالت مذکورہ (یعنی پانی اتنا ہو کہ اگر کپڑا دھوئے تو پیاس بجھانے کیلیے نہیں بچتا اس حالت) میں کپڑے کو نجاست لگ جائے اور اس کے سوا کوئی اور کپڑا نہ ہو جس سے ستر پوشی کرے۔ تو اب دیکھنا ہوگا کہ اگر چوتھے حصے سے کم کپڑا پاک ہے تو اسے اختیار ہے کہ چاہے تو اسی کپڑے سے نماز پڑھ لے اور چاہے تو ننگے بدن نماز پڑھ لے یہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کا مذہب ہے۔ اور امام محمدؒ امام زفر اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ہر حال میں اسی کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے۔ اس کیلیے جائز نہیں ہے کہ ننگا ہو کر نماز پڑھے چاہے سارا کپڑا ہی نجس کیوں نہ ہو۔''

احناف کے دو ''اصحاب'' ایک طرف ہیں اور دو ''اصحاب'' دوسری طرف۔

اب دیکھتے ہیں کہ :ع

اِدھر آتا ہے پروانہ یا اُدھر جاتا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۱۷

عریاں حالت میں بیٹھنے کی کیفیت

((ثم اذا صلى العارى كذالك فكيف يقعد قال بعضهم يقعد كما يقعد في الصلوٰة ...... و قال في ا لذ خيرة يقعد ويمد رجليه الى القبلة ويضع يديه على عورته الغليظة اى على ما يرى من ذكره)) (كبيرى ص ۱۹۶)

''پھر ننگا آدمی جب بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے تو اسے کس کیفیت میں بیٹھنا چاہیے۔ بعض (ائمہ ومشائخ) نے کہا کہ اسی طرح بیٹھے جس طرح نماز

میں بیٹھا جاتا ہے۔اور فتاویٰ ذخیرہ میں کہا کہ بیٹھ جائے اور اپنے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا لے۔اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی شرم گاہ یعنی ذکر پر رکھ لے۔"

خوب !ع:

ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند۔

اختلاف نمبر ۱۱۸

دورانِ نماز اپنا ستر دیکھنا

((قد رویٰ محمد بن شجاع عن ابی حنیفة و ابی یوسف نصاً قال اذا کان المصلی محلول الجیب فنظر الی عورتہٖ لا تفسد صلوٰتہٗ ......و بعض المشائخ جعل سترا لعورة من نفسہٖ ایضاًشرطا وھی روایة ھشام عن محمد حتیٰ قالوا......ان کان خفیف اللحیة لا تغطی جیبہٗ حتیٰ لو فرض انہ نظر فی جیبہٖ و رآی عورتہٗ فصلوٰتہٗ فاسدة وبہ ای بقول البعض یفتي بعض المشائخ)) (کبیری ص۲۰۷)

"محمد بن شجاع ثلجی نے ابوحنیفہ وابو یوسف سے بطورِ نص روایت کیا ہے کہ اگر نماز پڑھنے والے کا گریبان کھلا ہوا تھا پس اس نے اپنی پردے والی جگہ کو دیکھا تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور بعض مشائخ نے اپنی نظروں سے بھی پردے والی جگہ کو چھپانا شرط قرار دیا ہے۔اور یہ امام محمد سے ہشام کی روایت ہے۔حتیٰ کہ مشائخ نے کہا کہ اگر وہ نمازی ہلکی داڑھی والا ہے جو اسکے گریبان کو نہیں ڈھانکتی اور فرض کیا اسنے اپنے گریبان میں جھانکا اور اپنی پردے والی چیز کو دیکھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔اور انہی بعض مشائخ کے قول پر بعض مشائخ نے فتویٰ دیا ہے۔"

یعنی بعض مشائخ نے ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی نص کے مطابق مذہب بنایا ہے اور بعض مشائخ نے ان دونوں کی منصوص روایت کو چھوڑ کر فسادِ نماز کا فتویٰ جاری کیا ہے۔اور مقلد بیچارہ ان سب کا منہ دیکھتا رہ گیا۔''عامی'' اور ''لا مذہب'' جو ٹھہرا۔اگر بعض مشائخ کا فتوی مانتا ہے تو امام ابوحنیفہ کی ''تقلید شخصی'' کو دھچکا لگتا ہے۔اور اگر ''تقلید شخصی'' کرتا ہے تو خود اپنا (ستر) آپ دیکھنے کی توقع بہرحال رکھنی پڑے گی۔یعنی

دوگونہ رنج وعذابست جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

اختلاف نمبر ۱۱۹

عورت کا بدن

((وبدن المرآة الحرة کلها عورة الا وجهها و کفيها فانهما ليسا بعورة بالاجماع لا فی حق الصلوٰة ولا فی حق نظر الاجنبی حتیّٰ انه يباح نظرهٗ الی وجه المرآة الاجنبية وکفيها اذاکان بغير شهوة الاقد ميها ايضاً فانهما ليسا بعورة ولکن فی القد مين اختلاف المشائخ ......و ذکر فی المحيط ان الاصح انهما ليسا بعورة ......وقال فی الخاقانية الصحيح ان انکشاف ربع القدم يمنع ای جواز الصلوٰة کسا ئر الاعضاء ا لتی هی عورة و فی الاختيار قال الصحيح انهما ليسا بعورة فی الصلوٰة و عورة خارج الصلوٰة انتهیٰ۔ ومختار صاحب الهداية والکافی مافی المحيط))

(کبیری ص۲۰۸۔۲۰۹)

''اور آزاد عورت کا سارا بدن سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے پردے کی جگہ ہے۔چہرہ اور ہتھیلیاں بالاجماع پردے کی جگہ نہیں ہیں یعنی انہیں چھپانے کی

ضرورت نہیں ہے۔ نہ نماز میں اور نہ اجنبی مرد کی نظروں سے بچنے کیلیے۔ حتیٰ کہ اجنبی مرد کو عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف دیکھنا مباح ہے۔ جبکہ بغیر شہوت ہو اور قدموں کی طرف بھی کیونکہ وہ بھی پردے کی جگہ نہیں ہیں۔۔ لیکن قدموں کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ ''محیط'' میں کہا کہ اصح (زیادہ صحیح) یہ ہے کہ دونوں قدم پردے کی جگہ نہیں ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ خاقانیہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اگر قدم کا چوتھا حصہ بھی نماز میں کھل جائے تو مانع نماز ہے۔ جیسا کے دوسرے پردے والے اعضاء کا حکم ہے۔ اور اختیارِ مذہب میں کہا کہ صحیح یہ ہے کہ قدم نماز میں پردے کی جگہ نہیں ہیں اور نماز سے باہر پردے کی جگہ ہیں۔ اور صاحب ہدایہ و صاحبِ کافی کا اختیار کردہ مذہب وہ ہے جو محیط میں ہے۔''

اس مسئلے میں احناف کے تین فتوے ہیں

- پہلا یہ ہے کہ آزاد عورت کا چہرہ ہتھیلیاں اور پاؤں چھپانے کی چیز نہیں ہیں۔ نہ نماز میں اور نہ نماز سے باہر۔ حتیٰ کہ کسی اجنبیہ عورت کے ان اعضاء کو بغیر شہوت دیکھنا شریعت میں مباح ہے۔
- دوسرا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت کے قدم کا چوتھا حصہ بھی اگر نماز میں کھل جائے تو نماز نہیں ہوتی۔
- تیسرا مذہب یہ ہے کہ عورت کے پاؤں نماز میں چھپانے کی چیز نہیں ہیں اور نماز سے باہر چھپانے چاہیں۔

صاحبِ ہدایہ اور صاحبِ کافی نے پہلا مذہب اختیار کیا ہے۔

فقہ حنفی، ائمہ و مشائخ احناف کا میدان ہے انکی مرضی اس میں جس طرح طبع آزمائی فرماتے رہیں۔ البتہ مجھے پہلے مذہب کی ایک جزئی پر انتہائی تعجب ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ مطلقاً اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا آخر کس شرعی دلیل کی بنا پر مباح ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ خود احناف ہی کا قول ہے کہ:

((الاباحة حكم شرعي لأنه خطاب الشرع تخييراً))

(مسلم الثبوت ص ۴۵)

''اباحت حکم شرعی ہے۔کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس میں کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔''

دریافت طلب امر یہ ہے کہ نظر الی وجہ الاجنبیہ کی اباحت کا فتویٰ کس شرعی حکم کے تحت دیا گیا ہے۔کیا اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے یا نہ دیکھنے کا اختیار دیا ہے؟۔

اگر فقہائے احناف کے نزدیک حدیثِ رسولؐ خطاب شرعی ہے تو آیئے دیکھیے! کہ آپؐ کیا فرما رہے ہیں:

((عن جرير بن عبدالله قال سالتُ رسولَ الله ﷺ عن نظر الفجاءة فامرني ان اصرف بصري))

(صحیح مسلم۔مشکوٰۃ۔ص ۲۶۰)

''حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اچانک پڑ جانے والی نگاہ کے بارے میں آپؐ سے سوال کیا تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نگاہ پھیر لیا کروں رسول اللہ ﷺ تو اچانک پڑ جانے والی نگاہ کو بھی پھیر لینے کا حکم دے رہے ہیں اور وہ بھی ایک صحابیؓ کو اور فقہ کے اجارہ دار اسے پوری امت کیلیے مباح قرار دے رہے ہیں ۔ اور وہ بھی بالا رادہ دیکھنے کو۔''

استغفر اللہ!

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اختلاف نمبر ۱۲۰

عورت کے بازو

((وذراعاها عورة كبطنها في ظاهر الرواية عن اصحابنا

الثلاثة وروى فى غير ظاهر الرواية عن ابى يوسف انه روى عن ابى حنيفةؒ ان ذراعا ھاليسا بعورة و فى الاختيار قال لو انکشف ذراعها جازت صلوٰتها......... و صحح بعضهم انه عورة فى الصلوٰة لاخارجها)) (کبیری ص۲۰۹)

''ظاھر الروایۃ میں ہمارے تین اصحاب سے مروی ہے کہ عورت کے بازو اسکے پیٹ کی طرح پردے کی جگہ ہیں۔اور غیر ظاھر الروایۃ میں ابویوسف نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ عورت کے بازو پردے کی جگہ نہیں ہیں۔اور اختیار میں کہا کہ اگر عورت کا بازو ننگا ہو تو اسکی نماز جائز ہے۔اور بعض ائمہ ومشائخ نے اس مذہب کو صحیح قرار دیا ہے کہ عورت کے بازو نماز میں چھپائے جائیں اور نماز سے باہر یہ چھپانے کی چیز نہیں ہیں۔''

اختلاف نمبر ۱۲۱

عورت کے سر کے بال

((واما شعر المسترسل اى النازل من راسها فقد قال الفقيه ابو الليث ان انکشف ربع المسترسل فسدت صلوٰتها لانه عورة کذا ذکره فى اکثر کتب الفتاوىٰ و صححه صاحب الهداية وغيره وقال فى الفتاوىٰ الخاقانية المعتبر فى فساد الصلوٰة انکشاف ما فوق الاذنين من الشعر لاما نزل عنها فجعل الشعر المسترسل غير عورة فى حق الصلوٰة وهو اختيار الصدر الشهيد))

(شرح منية المصلى کبیری ص۲۱۰)

''اور عورت کے سر کے لٹکے ہوئے جو بال ہوتے ہیں' ان کے بارے میں فقیہ ابو اللیث (حنفی) نے کہا کہ اگر سر سے نیچے لٹکے ہوئے بالوں کا چوتھا

حصہ بے پرد ہو جائے تو عورت کی نماز فاسد ہو جائیگی۔کیونکہ وہ پردے کی جگہ ہیں۔اکثر کتبِ فتاویٰ میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے اسکی تصحیح کی ہے۔اور فتاویٰ خاقانیہ کے مصنف نے کہا کہ نماز فاسد ہونے میں کانوں سے اوپر والے بالوں کا بے پرد ہونا معتبر ہے۔جو بال سر سے نیچے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں انکے بے پرد ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔پس انہوں نے لٹکے ہوئے بالوں کو نماز کے حق میں پردے کی جگہ نہیں قرار دیا۔اور اسی مذہب کو اختیار کیا ہے الصدر الشہید نے۔''

اختلاف نمبر ۱۲۲

عورت کی پنڈلی

((فان صلت وربع ساقها مكشوف او ثلثها تعيد الصلوٰة عند ابى حنيفة و محمدؒ وان كان اقل من الربع لاتعيد وقال ابو يوسف لا تعيد ان كان اقل من النصف......وفى النصف عنه روايتان))

(ہدایہ باب شروط الصلوٰۃ التی تتقدمہا)(کبیری ص ۲۱۱)

''پھر اگر آزاد عورت نے نماز پڑھی اس حالت میں کہ اسکی چوتھائی پنڈلی یا تہائی پنڈلی کھلی ہوئی ہے تو وہ نماز کا اعادہ کرے امام ابوحنیفہ و امام محمد کے نزدیک۔اور اگر چوتھائی سے کم کھلی ہو تو انکے نزدیک اعادہ واجب نہیں ہے۔اور امام ابو یوسف نے کہا کہ اگر نصف سے کم کھلی ہوئی ہو تو اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔اور نصف کھلی ہونے کی صورت میں ابو یوسف سے دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں اعادہ واجب ہے اور ایک روایت میں اعادہ واجب نہیں ہے۔''

پڑھتے آیئے! کیونکہ:ع

عشق کے امتحاں ابھی باقی ہیں یارو!

اختلاف نمبر۱۲۳

پیٹ' پیٹھ اور ران

((والشعر والبطن والفخذ کذالك یعنی علی هذا الاختلاف)) (هدایه باب ایضاً)

((فای عضو من هذه الاعضاء انکشف ربعهٗ قد ر اداء رکن لاتجوز الصلوٰۃ عندهما خلافاً لابی یوسف)) (کبیری ص۲۱۱)

"لٹکے ہوئے بال' پیٹ اور ران کے بارے میں یہی اختلاف ہے (کبیری میں پیٹھ کا بھی ذکر ہے)۔پس ان اعضاء میں سے کسی عضو کا چوتھا حصہ ادائے رکن جتنی دیر ننگا رہا تو طرفین کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہے۔اور ابو یوسف کے نزدیک چونکہ چوتھا حصہ بمنزلہ ءکل نہیں ہے لہذا انکے نزدیک نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔"

☆ نوٹ: درج بالا مسئلے میں "قدر اداء رکن" کی شرط رکھی گئی ہے۔تو گزارش ہے کہ اس ضمن میں بھی صاحبین کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اگر رکن ادا نہ کیا مگر اتنی دیر کی کہ اس میں رکن ادا ہوجاتا تو فسادِ نماز میں معتبر ہے۔اور امام محمد کے نزدیک رکن ادا کرنا ضروری ہے۔اور رکن ادا ہونیکی مقدار تین بار سبحان اللہ کہنے کی مدت تک ہے۔

(عین الہدایہ ج۱ص۳۱۶وکبیری ص۲۱۴)

اس قدر اختلافاتِ کثیرہ کی موجودگی میں جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فقہ حنفی کی تدوین متفقہ طور پر امام ابو حنیفہ کے زمانے میں ہی کر لی گئی تھی' وہ شخص اس صدی کا سب سے بڑا قصہ گو کہلانے کا حقدار ہے۔

اختلاف نمبر۱۲۴

گھٹنے کا حکم

((وکذا اختلفوا ایضاً فی الرکبة مع الفخذ ......فقال بعضهم کل منهما عضوعلی حدة و علی هذا لو انکشف القدر المانع کا لربع من الرکبة وحد ها لا تجوز الصلوٰة ......وقال بعضهم الرکبة مع الفخذ کلاهما عضو واحد......وعلی هذ الوصلی الرجل و رکبتیه مکشوفتان والفخذ مغطی جازت صلوٰته)) (کبیری ص۲۱۰۔۲۱۱)

''اور اسی طرح گھٹنا مع ران کے مسئلہ میں بھی اَئمہ احناف نے اختلاف کیا ہے۔پس بعض نے کہا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ عضو ہے۔اس مذہب کی بنیاد پر اگر قدرِ مانع جیسے چوتھائی حصہ صرف گھٹنے کا ننگا رہ جائے تو نماز جائز نہیں ہے۔اور بعض نے کہا کہ گھٹنا بمع ران ایک ہی عضو ہے۔اس مذہب کی بنیاد پر اگر ایک آدمی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اسکے دونوں گھٹنے ننگے تھے اور ران ڈھکی ہوئی تھی تو اسکی نماز جائز ہے۔''

یعنی شلوار یا تہمد پہننے کا تکلف برطرف۔اب کچھا پہن کر بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

اختلاف نمبر۱۲۵

عورتِ غلیظہ

((واما حکم العورة الغلیظة وهی القبل والد برفهو علیٰ هذا الخلاف المذکور فی الساق یعنی اذا انکشف من احد هما ربعهٗ وان کان اقل من قد ر الدرهم یمنع جواز الصلوٰة عند

هما خلافاً لابی یوسف ......وذکر الکرخیؒ ان القدر المانع من العورۃ الغلیظۃ مازاد علی قدرالدرھم)) (کبیری ص۲۱۱)

''اورعورۃِ غلیظہ یعنی قبل اور دبر کا حکم بھی اسی اختلاف (کی سان) پر ہے جو پنڈلی کے بارے میں ہے۔یعنی اگران دونوں میں سے کسی ایک کا چوتھا حصہ ننگا ہوجائے خواہ قدرِ درہم سے کم ہوتو طرفین کے نزدیک مانع نماز ہے ابویوسف کے خلاف۔(کیونکہ ابویوسف کے نزدیک فسادِ نماز کیلیے نصف سے کم مقدار کا اعتبارنہیں ہے)۔اور امام کرخی نے بیان کیا ہے کہ نماز کیلیے عورۃ غلیظہ کی مانع مقدار وہ ہے جودرہم سے زائد ہو۔''

اختلاف نمبر۱۲۶

شرم تم کو مگر نہیں آتی

((اما الخصیتان مع الذکرفقد اختلف فی ان المجموع عضو واحد فیعتبر القدر المانع منهما معاً او کل واحد عضو علی حدۃ فیعتبر القدر المانع منه منفرداً قال بعضهم کلاهما عضو واحد وقال بعضهم یعتبرکل واحد منهما عضواً علی حدۃ)) (کبیری ص۲۱۰)

''اور خصیتین مع ذَکر میں بھی اختلاف کیا گیاہے کہ ان سب کا مجموعہ ایک ہی عضو ہےتو ان کی اکٹھی مقدارِ مانع کا اعتبار کیا جائے۔یا ان میں سے ہرایک علیحدہ عضو ہے تو ہرایک کی علیحدہ علیحدہ مقدارِ مانع کااعتبارکیاجائے۔پس بعض (أئمہ ومشائخ) نے کہا کہ خصیتین اور ذَکر دونوں ایک ہی عضو ہیں۔اور بعض نے کہا کہ ان میں سے ہرایک علیحدہ عضو ہے۔''

نوٹ: دبر مع الالیتین (مقعدمع سُرین) کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے۔(ایضاً۲۱۲)

تبصرے کے لیے جگہ خالی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۲۷

ستر پوشی کے لیے انتظار

((فی القنیة عن محمد مع صاحبہٖ ثوب وعدہٗ ان یعطیہٗ اذا فرغ من صلوٰتہٖ ینتظر وان خاف فوت الوقت وعن ابی حنیفة انہٗ ینتظر مالم یخف فوت الوقت)) (کبیری ص ۲۱۴)

''فتاویٰ قنیہ'' میں امام محمد سے روایت ہے کہ اگر کسی کے ساتھی کے پاس کپڑا ہو اور وہ اس سے وعدہ کرے کہ نماز سے فارغ ہو کر اسے دیدے گا۔ تو اس آدمی کو (ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ) انتظار کرنا چاہیے۔ اگرچہ نماز کا وقت فوت ہو جانے کا خطرہ بھی کیوں نہ ہو۔ مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر وقت فوت ہونے کا خوف ہو تو انتظار نہ کرے۔ (بلکہ ننگے ہونے کی حالت میں ہی نماز پڑھ لے)۔''

جن ''فقہا'' کی فقہ اور تفقہ فی الدین کا یہ عالم ہو کہ نماز جیسی اہم عبادت کی ایک ایک شرط میں اس قدر کثیر اختلافات رکھتے ہوں' انہیں عالمِ اسلام کیلیے اتحاد اور اتفاق کی علامت (Symbol) قرار دینا اندھی عقیدت کے سوا کچھ نہیں۔ عقل کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کوئی اپنے دل کو خود ہی اندھا کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مستند حکیم کو چھوڑ کر عطائی حکیموں کے در پہ دھکے کھانے والا ہمیشہ گھاٹے میں ہی رہتا ہے۔

حملہ برخود میکنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد

اذان

اختلاف نمبر ۱۲۸

وضوء کے بغیر اذان واقامت

((فان اذّ ن علی غیر وضوء جاز……و یکرہ ان یقیم علی غیر وضوء…… ویرویٰ انه یکرہ الاذان ایضا)) (ھدایہ باب الاذان)

"اور اگر وضوء کے بغیر اذان دی تو جائز ہے۔اور اقامت بغیر وضوء مکروہ ہے۔اور روایت کیا گیاہے(امام کرخی سے) کہ اذان بھی بغیر وضوء مکروہ ہے۔"

اختلاف نمبر ۱۲۹

اذان کے کلمات میں اضافہ

((وقال ابو یوسفؒ لا اریٰ بأساً ان یقول المؤذن للأمیر فی الصلوات کلھا السلام علیك ایھا الأمیر و رحمة اللّٰه وبرکاتہٗ حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح الصلوٰة یرحمك الله واستبعدہ محمدؒ لان الناس سواسیة فی امر الجماعة))

(ھدایہ باب الاذان وکبیری ص۳۶۱)

"اور امام ابویوسف نے کہا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ مؤذن تمام نمازوں میں حاکم کو یوں کہے السلام علیك ایھا الامیر ورحمة الله وبرکاتہٗ حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح الصلوٰة یرحمك الله۔ اور امام محمد نے اسکو جواز سے دور جانا ہے کیونکہ جماعت کے معاملہ میں سب مسلمان برابر ہیں۔

اب معلوم ہوا کہ حنفی مقلدین کا جو فرقہ اذان میں صلوٰۃ و سلام وغیرہ پڑھنا ضروری سمجھتا ہے ان کیلیے جواز کی اصل بنیاد تو امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ اگر ایک عام مسلمان امیر یا حاکم کے لیے دورانِ اذان سلام اور رحمت و برکت کی دعائیں کی جاسکتی ہیں تو پوری امت کے سردار اللہ کے نبی ؐکیلیے کیوں نہیں کی جاسکتیں۔

کسی حکمران کی خوشنودی حاصل کرنے کا اس سے بڑا ذریعہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ عبادات میں بھی اس کا ایک مخصوص حصہ رکھ لیا جائے۔ یہ تو بھلا ہو امام محمد کا کہ انہوں نے اس کام کا بدعت ہونا نہ سہی چلو ''استبعاد'' تو محسوس کرلیا۔ ورنہ آج ساری تقلیدی امت اذانوں میں یہی گیت گارہی ہوتی۔

اختلاف نمبر ۱۳۰

وقتِ اذان

((ولا یؤذن لصلوٰۃ قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت وقال ابویوسف وھو قول الشافعی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اھل الحرمین)) (ھدایہ باب الاذان)

''اور اذان نہ دی جائے کسی نماز کیلیے قبل اسکے وقت کے۔ اوز اگر کسی نے پہلے کہہ دی ہو تو دوبارہ اذان دی جائے وقت کے اندر۔ اور ابو یوسف نے کہا اور یہی امام شافعی (وامام مالک و امام احمد) کا قول ہے کہ فجر کیلیے اخیر آدھی رات میں جائز ہے۔ کیونکہ اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ کے نزدیک یہ متوارث چلی آتی ہے۔''

یعنی اس مسئلہ میں طرفین اور ابو یوسف کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ و محمد عدمِ جواز کے قائل ہیں اور ابو یوسف جواز کے قائل ہیں۔

اتحادی مجلس کے علم برداروں کو یہ اختلافات کیوں نظر نہیں آتے۔ فقہ حنفی کا کوئی

باب ایسا بھی ہے جس میں اس مزعومہ ''مجلس'' کی ایک جھلک بھی نظر آئے ؟۔اور وہ اصل ''رجسٹر'' جو ائمہ احناف کے ''اتفاق'' کا واحد امین اور شاہد تھا۔آخر وہ کہاں غائب ہوگیا؟ کیا موجودہ فقہ اور کتبِ فقہ کسی اندرونی سازش کا نتیجہ تو نہیں ؟

یہ ایسے سوالات ہیں جو ہر ذی شعور شخص کے دل میں ضرور پیدا ہوتے ہیں۔مگر افسوس ! کہ دور دور تک کوئی چارہ گر ایسا نظر نہیں آرہا جو ان سوالات کے شافی جواب دینے کا حوصلہ رکھتا ہو۔

اختلاف نمبر ۱۳۱

اذان واقامت کے درمیان بیٹھنا

((ویجلس بین الاذان والاقامة الا فی المغرب وھذا عند ابی حنیفة وقالا یجلس فی المغرب ایضاً جلسة خفیفة لانه لابد من الفصل اذا لوصل مکروہ ولا یقع الفصل بالسکتة))

(ھدایه باب الاذان)

''اور بیٹھے اذان اور اقامت کے درمیان سوائے مغرب کے۔یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔اور ابو یوسف و محمدؒ نے کہا کہ مغرب کی اذان کے بعد بھی تھوڑا سا بیٹھے۔کیونکہ اذان اور اقامت میں فصل کرنا لازمی امر ہے۔جبکہ وصل کرنا (یعنی نہ بیٹھنا) مکروہ ہے۔محض سکتہ کرنے سے فصل واقع نہیں ہوسکتا۔''

ہم نے آجتک کسی حنفی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس مکروہ فعل سے بچنے کی کوشش کی ہو۔بلکہ اذان ختم ہوتے ہی فوراً تکبیر شروع کردی جاتی ہے۔

قبلہ

اختلاف نمبر۱۳۲

بغیر عذر قبلہ سے رخ پھیرنا

((ولو حوّل صدرہٗ عن القبلة بغیر عذر فسدت صلوٰتہٗ قیل هذا قولهما اما عند ابی حنیفة فینبغی ان لا تفسد بناء علی ان الاستد بار اذا لم یکن علی قصد الرفض لا یفسد مادام فی المسجد عنده خلا فاًلهما)) (کبیری ص ۲۲۲)

''گر نمازی نے بغیر عذر کے اپنا سینہ قبلہ سے پھیرلیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی۔کہا گیا ہے کہ یہ صاحبین کا قول ہے۔اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مناسب ہے کہ فاسد نہ ہوگی۔اس اصول پر بناء کرتے ہوئے کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا چھوڑنے کی نیت سے نہ ہوتو نماز کو فاسد نہیں کرتا جب تک مسجد میں رہے ابوحنیفہ کے نزدیک۔صاحبین کے خلاف۔''

یعنی امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ نمازی مسجد میں ہو اور نماز و مسجد کو چھوڑ کر واپس جانے کی نیت نہ ہو بلکہ نماز پڑھنے کا قصد ہوتو قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے نماز پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔مگر صاحبین کا اصول اور مذہب اسکے خلاف ہے۔انکے نزدیک بغیر عذر کے قبلہ سے پھِر جانا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

اختلاف نمبر۱۳۳

بلا تحری نماز پڑھنا

((ولو اشتبهت علیه القبلة ولم یتحر فشرع فی الصلوٰة و صلی بلا تحر لا تجوز صلوٰتہٗ لأن التحری فرض علیه وقد

ترکہٗ وان علم فی خلال الصلوٰۃ انہ اصاب القبلۃ استقبل الصلوٰۃ عند ابی حنیفۃ و محمد و قال ابو یوسف یبنی))

(ایضاً ص ۲۲۰)

''اور اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو گیا اور اس نے بغیر غور وفکر کیے نماز شروع کر دی تو اسکی نماز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ غور وفکر کرنا (تحری) اس پر فرض تھا جو اس نے ترک کر دیا۔ اور اگر اسے دورانِ نماز (کسی ذریعے سے) معلوم ہو گیا کہ وہ ٹھیک قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ رہا ہے تو ابو حنیفہ ومحمدؒ کے نزدیک وہ نئے سرے سے نماز شروع کرے۔ اور ابو یوسف نے کہا کہ جتنی پہلے پڑھ چکا ہے اسی پر بناء کرے۔ یعنی ابتدا سے دوبارہ نماز شروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۳۴

تحری کے خلاف قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا

((وان تحریٰ ووقع تحریہ علیٰ جہۃ فترکھا وصلیّٰ علی غیر جہۃ التحری یعید ھا و ان اصاب القبلۃ عند ابی حنیفۃ و محمد وعن ابی حنیفۃ انہ یخشیٰ علیہ الکفر کذا فی الخلاصۃ وقال ا بویوسف ان اصاب جہۃ القبلۃ لا یعیدھا اذا لو اعادھا فانما یعیدھا الیٰ ھذہ الجھۃ فلا فائدۃ فی الاعادۃ)) (ایضاً ص ۲۲۰)

''اور اگر اس آدمی نے سوچ وبچار کیا اور اسکی سوچ ایک سمت ٹھہر گئی۔ پس اس نے اسکو چھوڑ کر دوسری سمت نماز پڑھی تو طرفین کے نزدیک وہ نماز لوٹائے۔ خواہ اس نے قبلہ رُخ ہو کر ہی کیوں نہ پڑھی ہو۔ اور ابوحنیفہ سے (تو یہاں تک) مروی ہے کہ اس آدمی کے کافر ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی طرح لکھا ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں۔ اور ابو یوسف نے کہا کہ اگر اس نے (تحری والی

سمت ترک کر کے) قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھی ہے تو وہ نہ لوٹائے۔ کیونکہ اگر وہ
لوٹائے تو پھر بھی اسی سمت (یعنی قبلہ کی سمت) پڑھے گا جس سمت کی طرف
وہ پہلے پڑھ چکا ہے۔ پس اعادہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

قارئین نے امام ابوحنیفہ کی فقہی بصیرت ملاحظہ فرمائی! کہ اگر کوئی شخص تحری کے خلاف چاہے قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھے اسے نماز لوٹانی چاہیے۔ بلکہ شخصِ مذکور کے اس "گھناؤنے فعل" سے اسکے کافر ہونے کا خطرہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر تحری کے نماز پڑھے اور اسے دورانِ نماز معلوم ہوجائے کہ وہ صحیح قبلہ کی سمت نماز پڑھ رہا ہے تو اسکی نماز ٹوٹ جائیگی۔ اسے نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قبلہ سے اپنا سینہ پھیر لے تو اسکی نماز ہر لحاظ سے صحیح اور کامل ہے۔ کیونکہ مسجد میں رہتے ہوئے بلا قصد رفض استدبارِ قبلہ مفسدِ نماز نہیں ہے۔ لہذا بے خوف وخطر رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح نہ اعادہ کی ضرورت ہے نہ کفر کا خوف۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتدراز
ورنہ درمجلسِ رنداں بے خبرے نیست کہ نیست

اوقاتِ نماز

اختلاف نمبر ۱۳۵

وقتِ ظہر

((اول وقت الظهر اذا زالت الشمس وآخر وقتها عند ابی حنیفة رحمها لله تعالیٰ اذا صار ظل كل شئی مثليه سوی فئی الزوال وقال ابويوسف و محمد رحمهما الله اذا صار ظل كل شئی مثله))

(قدوری ص ۱۹) (کبیری ص ۲۲۵) (ہدایہ باب المواقیت)

''ظہر کا اول وقت ہے جب سورج زائل ہو جائے۔اور آخر وقت ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب زوال کے سائے کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اسکے دوچند ہوجائے۔اور ابویوسف ومحمد نے کہا کہ ظہر کا آخر وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اسکے برابر ہوجائے۔''

یعنی صاحبین کے نزدیک عصر کا وقت شروع ہوچکا ہوگا' مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ابھی ظہر کا وقت باقی ہوگا۔

اختلاف نمبر ۱۳۶

وقتِ مغرب

((اول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخر وقتها مالم تغب الشفق وهو البياض الذى يرى فى الافق بعد الحمرة عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وقال ابويوسف ومحمد رحمهما الله هو الحمرة))

(قدوری ص ۱۹)(شرح وقایہ ۱۴۷)

''مغرب کا اول وقت وہ ہے جب سورج غروب ہوجائے۔اور آخر وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہوجائے۔اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق وہ سفیدی ہے سرخی کے بعد افق پر نظر آئے۔اور صاحبین کے نزدیک وہی سرخی ہی شفق ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۳۷

صلوٰۃ الوتر کا وقت

((وقت صلوٰة الوتر اى الوقت الذى هو وقت العشاء هذا عند ابى حنيفةؒ وعندهما وقتها بعد صلوٰة العشاء وهذا

الخلاف بناء علی ان الوتر واجب عندہٗ ......وعند ھما سنة شرعت بعد العشاء)) (کبیری ص ۲۲۸)

''وتر کی نماز کا وقت وہی ہے جو عشاء کی نماز کا وقت ہے۔ یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وتر کا وقت عشاء کے بعد ہے۔ اور یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ ابوحنیفہ کے نزدیک وتر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت ہے جو عشاء کے بعد مشروع کی گئی ہے۔''

خود سوچیے! ''مشروع اور غیر مشروع دونوں صحیح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اختلاف نمبر ۱۳۸

مکروہ اوقات

((لایجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولاعند قیامھا فی الظھیرة ولا عند غروبھا ......والحدیث باطلاقہٖ حجة ......علیٰ ابی یوسف فی اباحة النفل یوم الجمعة وقت الزوال)) (ھدایہ الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ)

''وقت طلوع آفتاب' دوپہر کے وقت اور غروب کے وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے ابو یوسف کے خلاف حجت ہے۔ کیونکہ انہوں نے جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل نماز جائز قرار دی ہے۔''

یہی حدیث اگر اسی وقت تدوینِ فقہ کی ''اتحادی مجلس'' میں 'بحث و تمحیص' کیلیے پیش کردیجاتی تو کم از کم ابو یوسف اس حدیث کے مخالف تو نہ ٹھہرائے جاتے

☆ اب صاحبِ عین الھدایہ کا بیان بھی پڑھ لیجیے۔

''اشباہ میں ہے کہ زوال روزِ جمعہ کے وقت نفل جائز ہیں ابو یوسف کے قول کے مطابق۔ اور یہی صحیح معتمد ہے۔ اور حلبی شارح منیہ نے حاوی سے نقل کیا

کہ اسی پر فتویٰ ہے۔" (عین الہدایہ ص ۲۸۰)

سن لیجیے! ایک طرف تو ان کے مذہب کے خلاف حدیث کے ذریعے حجت قائم کی جارہی ہے اور دوسری طرف فتویٰ بھی انہی کے مذہب پر دیا جارہا ہے۔ اور اس مسئلہ میں ابو یوسف کی "تقلید شخصی" پسند کی گئی ہے۔ ع: کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اختلاف نمبر ۱۳۹

آخر وقت کا اسلام یا بلوغت

((اذا بلغ الصبیُّ او اسلم الکافر فی آخر الوقت ولم یبق من الوقت الا قدرا لتحریمة یجب علیه قضاء صلوٰة ذالك الوقت خلافاً لزفر)) (شرح وقایہ ۱۵۱)

"جب کسی نماز کے وقت کے آخر میں لڑکا بالغ ہوجائے یا کافر اسلام قبول کرے، اور وقت صرف تکبیر تحریمہ جتنا باقی ہو۔ تو اس وقت کی نماز کی قضاء ان پر واجب ہے زفر کے خلاف۔"

صرف امام زفر کو علیحدہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ باقی استاد شاگردوں نے اس مسئلے میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ کیا وجہ ہے؟ کیا یہ ابن مجلس میں موجود نہیں تھے جس میں ہر مسئلہ متفقہ طور پر درجِ رجسٹر کیا جاتا تھا؟۔

مولانا شبلی نے "سیرۃ النعمان" کے صفحہ ۲۰۰ پر صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ اس مجلس میں امام زفرؒ یحییٰ بن ابی زائدہ اور امام طحاوی وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ اور اس کام میں ۳۰ سال کا عرصہ صرف ہوا تھا یعنی ۱۲۱ھ سے لیکر ۱۵۰ھ تک۔

اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو انعقادِ مجلس کے وقت امام زفر کی عمر فقط ۱۱ سال بنتی ہے۔ کیونکہ ان کی تاریخ پیدائش ۱۱۰ھ ہے۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۹)

اور یحییٰ بن ابی زائدہ کی تاریخ پیدائش سے متعلق میزان الاعتدال مطبوعہ انوارِ محمدی ج ۲ ص ۵۷۷ میں لکھا ہے:

مات سنة اثنين وثما نين ومأة وله ثلاث وستون سنة (آپ ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے اور آپ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی) اب ۱۸۲ سے ۶۳ تفریق کرلیں تو تاریخ پیدائش ۱۱۹ھ بنتی ہے۔گویا تدوینِ فقہ کے یہ بزرگ کارکن انعقادِ مجلس کے وقت فقط دوسال کے تھے۔

رہے امام طحاوی تو انکی تاریخ پیدائش کے متعلق ج۱ ص۱۹ میں لکھا ہے:

وكا نت ولادتهٗ سنة ثمان و ثلاثين ومأتين (ان کی ولادت ۲۳۸ھ میں ہوئی) یعنی یہ مجلس کے انعقاد کے ایک سو سترہ سال بعد پیدا ہوئے۔ یہ شاید ''روحانی'' طور پر مجلس میں حاضری دیتے ہونگے۔

جس کابینہ کے ممبر ہی اس قسم کے ہوں ان سے ایسے ہی ''اتفاق'' کی توقع کی جاسکتی ہے۔جھوٹ آخر جھوٹ ہوتا ہے اسکی عمر کبھی لمبی نہیں رہی۔بالآخر پکڑا ہی جاتا ہے۔

نیتِ نماز

اختلاف نمبر۱۴۰

فرض ونفل کی اکٹھی نیت

((ولو نویٰ الفرض والتطوع معاً جا زما صلاه بتلك النية عن الفرض عند ابی یوسف ......خلافاً لمحمد حیث لا یجوز عن الفرض عندهٗ ولا عن التطوع بل تبطل نیته))

(کبیری ۲۴۷)

''اگر نمازی نے فرض اور نفل کی ایک ساتھ نیت کی تو اس نیت سے اس نے جونماز پڑھی وہ بطورِ فرض جائز اور صحیح ہے ابویوسف کے نزدیک۔اور یہ امام محمد کے مذہب کے خلاف ہے۔کیونکہ انکے نزدیک اس نیت کے ساتھ نہ

فرض جائز ہے نہ نفل' بلکہ اس آدمی کی نیت ہر لحاظ سے باطل ہے۔پس اسکی نماز صحیح نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۴۱

تعیینِ نیت

((المصلی اذا کان متنفلاً سواء کان ذا لك ا لنفل سنة مؤكدة او غيرها يكفيه مطلق نية الصلوٰة ولا يشترط تعيين ذالك النفل بانه سنة الفجر مثلاً او الترا ويح او غير ذالك ولكن فى التراويح اختلف اى خا لف بعض المشا ئخ المتقدمين فا نهم قالوا ا لاصح ا نه اى فعل التراويح لا يجوز بمطلق النية لا بد من تعيينها والمذكور فى فتاوىٰ خان ان الاختلاف فى الترا ويح وفى السنن ......اختلف المشائخ فيه حسب اختلافهم فى سنن المكتوبات قال بعضهم يجوز اداء السنن بنية الصلوٰة و بنية التطوع وقال بعضهم لا يجوز وهو الصحيح ......و ذكر المتأخرون ان التراويح و سائر السنن تتادىٰ بمطلق النية وهو اختيار صاحب الهداية ومن تابعه)) (کبیری للحلبی ص ۲۴۵۔۲۴۶)

''امام حلبی حنفی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص نفل پڑھنے والا ہو'خواہ یہ نفل سنتِ مؤکدہ ہو یا اسکے علاوہ تو اسے مطلق نماز کی نیت کرنا کافی ہے۔اور اس نفل کی تعیین کرنا شرط نہیں ہے کہ مثلاً یہ فجر کی سنت ہے یا نمازِ تراویح یا غیر ذالک۔''

لیکن تراویح میں متقدمین مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ تراویح مطلق نیت سے جائز نہیں ہیں انکی تعیین کرنا ازبس ضروری

ہے۔اور فتاویٰ خاں میں مذکور ہے کہ مشائخ کا اختلاف (صرف نمازِ تراویح میں نہیں بلکہ) تراویح اور سننِ مکتوبات' دونوں میں ہے۔بعض مشائخ نے کہا کہ مطلق نماز کی نیت یا نوافل کی نیت سے سنت ادا کرنا جائز ہے۔اور بعض نے کہا کہ جائز نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔اور متاخرین مشائخ نے کہا کہ تراویح اور تمام سنتیں مطلق نیت سے ادا کی جاسکتی ہیں۔اور اسی کو اختیار کیا ہے صاحبِ ہدایہ اور انکے تابعداروں نے۔

☆ متقدمین و متاخرین مشائخِ احناف کے اختلافات آپ نے دیکھ اور پڑھ لیے۔اب آگے چلیے !فرماتے ہیں:

((و روی الحسن عن ابی حنیفة فی سنة الفجر انها لاتؤدیٰ بنیة التطوع)) (کبیری ص۲۴۵)

یعنی امام حسن بن زیاد (شاگردِ ابوحنیفہ) نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ فجر کی سنتیں نوافل کی نیت سے نہیں ادا کی جاسکتیں۔

☆ اب وہ بعض متقدمین اور جملہ متاخرین مشائخ (جن میں صاحب ہدایہ سرِ فہرست ہیں) جنھوں نے مطلق نیت یا نفل کی نیت سے بشمول سنت الفجر تمام سنن کو ادا کرنا جائز قرار دیا ہے' کس درجہ کے مجرم قرار دیے گئے ہیں؟۔نیز یہ سوال بھی بجا طور پر صحیح ہے کہ اس مسئلہ میں انہوں نے کس مجتہد کی ''تقلید شخصی'' کا ''فریضہ'' سرانجام دیا ہے؟۔

☆ اگر ہوسکے تو اس سوال کا جواب بھی ضرور تلاش کیجیے گا کہ جس ''رجسٹر'' میں مہینوں بحث و تمحیص کے بعد ہر مسئلہ متفقہ طور پر درج کیا جاتا تھا' وہ رجسٹر متقدمین کو بھی کیوں نہ دستیاب ہوسکا؟۔

اختلاف نمبر۱۴۲

تاخیرِ نیت

((وان تأخرت النية و نوی بعد التكبير لا تصح الصلوٰة بتلك

النية المتأخرة فی ظاهر الرواية خلافاً للكرخی واختلفوا علی قولهٖ انه الی متیٰ يجوز التاخير قيل الیٰ الثناء وقيل الیٰ التعوذ وقيل الیٰ الركوع و قيل الیٰ الرفع منه)) (كبيری ۲۵۳)

"اگر نمازی نے تکبیر کے بعد نیت کی تو اس نیت کے ساتھ اسکی نماز صحیح نہیں ہے ظاہر الروایۃ میں۔ امام کرخی کے خلاف (یعنی انکے نزدیک تکبیر کے بعد بھی نیت کرلے تو اس نیت سے اسکی نماز صحیح ہے۔ اور وہ احناف جنہوں نے قول کرخی اختیار کیا ہے) انہوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ تاخیر کب تک جائز ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ثناء تک تاخیر جائز ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ تعوذ تک جائز ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ رکوع تک جائز ہے۔ اور ایک اور صاحب کے نزدیک رکوع سے اٹھنے تک تاخیرِ نیت جائز ہے۔"

☆ ایک امام کرخی ظاہر الروایۃ سے کیا بے خبر رہے کہ بعد والوں میں اختلافات کا ایک پٹارا کھل گیا۔ اور اس کا سہرا اکیلے امام کرخی حنفی کے سر جاتا ہے جن کا مشہور قول ہے کہ جو حدیث یا آیت ہمارے اصحاب کے اصول کے خلاف ہو وہ مؤول یا منسوخ ہے۔

اختلاف نمبر ۱۴۳

عورتوں کی امامت کی نیت

((فان اقتداء هن به لايجوز مالم ينو ان يكون اماماًلهن او لمن تبعه عموماً و عند زفر لا يشترط نية امامتهن لصحة اقتداء هن)) (كبيری ص ۲۴۸)

"پس بیشک عورتوں کا اقتداء کرنا جائز نہیں ہے جبتک امام انکی امامت کی نیت نہ کرے۔ اور امام زفر کے نزدیک صحتِ اقتداء کیلیے عورتوں کی امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے۔"

☆ یعنی جن ائمہ کے نزدیک یہ شرط ہے انکے نزدیک اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت نہ کی تو ان عورتوں کی نماز جائز نہیں ہے اور امام زفر کے نزدیک جائز ہے۔

اختلاف نمبر ۱۴۴

نیتِ اقتداء

((وان نویٰ الا قتداء بالامام ولم یعین الصلوٰۃ یجزیہ ذالك الفعل وھونیة الاقتداء عن تعیین الصلوٰۃ و فی فتاویٰ قاضی خان لایجوز لان الاقتدا ء بالامام کما یکون فی الفرض یکون فی النفل و قال بعضھم یجوزانتھیٰ))

(کبیری ۲۴۹)

''اور اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی نیت کی مگر نماز کی تعیین نہ کی (کہ فرض ہے یا نفل) تو یہی نیت اسے تعیینِ نماز سے کفایت کریگی۔یعنی تعیین کے بغیر اسکی نماز جائز ہے۔اور فتاویٰ قاضیخاں میں ہے کہ جائز نہیں ہے۔کیونکہ اقتداء جس طرح فرض میں کی جاتی ہے اسی طرح نفل میں بھی کی جاتی ہے (پھر بلا تعیین اسکی نماز کس طرح جائز ہوجائیگی) اور بعض مشائخ نے کہا کہ جائز ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۴۵

افضل نیت

((والافضل ان ینوی الاقتدا ء بعد ما قال الامام اللہ اکبر لیصیر مقتدیاً بمصلٍ کذا ذکرہٗ فی المحیط وھو ظاھر لکنہٗ انما یصح علی قولھما لا علی قول ابی حنیفة))

(کبیری ۲۵۰)

''اور افضل یہ ہے کہ امام کے اللہ اکبر کہنے کے بعد نیت کرے۔تا کہ نماز پڑھنے والا مقتدی بن جائے (یعنی جب تک امام نے اللہ اکبر نہیں کہا اس وقت تک خود امام بھی نماز پڑھنے والا نہیں بنا تو مقتدی کیسے نماز پڑھانے والے کا مقتدی بنے گا۔)اسی طرح ذکر کیا (شمس الائمہ نے) محیط میں اور وہی ''ظاہر'' ہے۔لیکن یہ صحیح ہے صاحبین کے قول پر۔نہ کہ امام ابوحنیفہ کے قول پر۔(کیونکہ ابوحنیفہ کے نزدیک مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے مقارن ہونی چاہیے۔)''

اختلاف نمبر ۱۴۶

امام سے پہلے شروع کرنا

((ولو نوی الشروع فی صلوٰۃ الامام وکبر علی ظن انه ای الامام قد شرع قبل شروعهٖ وهوای و الحال ان الامام لم یشرع بعد اختلفوا فیه قال بعضهم لم یجز شروعهٗ فی صلوٰۃ الامام)) (کبیری ص ۲۵۰)

'' اگر کسی آدمی نے امام کی نماز میں شامل ہونے کی نیت کی۔اور امام کے شروع کرنے سے پہلے اس نیت سے تکبیر کہدی کہ امام بھی شروع کرچکا ہے۔حالانکہ امام نے ابھی شروع نہ کی ہو تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔بعض نے کہا کہ اس کا امام کی نماز میں شامل ہونا جائز نہیں ہے۔(اور بعض کے نزدیک جائز ہے)''

اختلاف نمبر ۱۴۷

خروجِ وقت نماز کے بعد نیت کرنا

((وان کان الرجل شاکاً فی بقاء وقت الظهر مثلاً فنویٰ ظهر

الوقت فاذا الوقت قدخرج یجوز الظهر ......وهذا هو المختار کذا ذکره فی المحیط)) (کبیری ص ۲۵۰)

''اگر کسی شخص کو کسی نماز مثلاً ظہر کی نماز کا وقت باقی ہونے میں شک ہو اور اس نے ظہر وقتیہ کی نیت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ وقت نکل چکا تھا' تو اسکی ظہر کی نماز جائز ہے۔ یہی مختار مذہب ہے اسی طرح ''محیط'' میں لکھا ہے۔''

اسکے بعد امام حلبی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ انہوں نے ابن الہمام' قاضی خاں اور صاحبِ خلاصہ کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ انکے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ یہ سارے اختلافات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

((فعلم من هذا ان ما اختاره فی المحیط علی ماذکره المصنف غیر المختار)) (ایضاً ص ۲۵۱)

''یعنی اس سے معلوم ہوا کہ منیہ کے مصنف نے محیط میں مذکور جس مختار مذہب کا ذکر کیا ہے وہ غیر مختار ہے۔''

☆ چلو چھٹی ہوئی! صاحبِ محیط کے نزدیک یہ مختار نہیں اور ان کے نزدیک وہ مختار نہیں۔ اور بے چارے مقلد کا حال یہ ہے کہ: ع

الهی تبتُ من کل المعاصی
ولکن حُب لیلیٰ لا اتوب

فرائضِ نماز

اختلاف نمبر ۱۴۸

خروج المصلی بصنعہٖ

منیۃ المصلی کے مصنف لکھتے ہیں:

((اما الخروج من الصلوٰة بصنعهٖ فرض عند ابی حنیفة

خلافاً لهما)) (کبیری ص ۲۵۴)

''اپنے فعل سے نماز سے باہر آنا ابو حنیفہ کے نزدیک فرض ہے صاحبین کے خلاف۔''

یعنی امام ابوحنیفہ کے نزدیک نمازی پر فرض ہے کہ اپنے اختیاری فعل کے ذریعے نماز سے باہر آئے۔ اور صاحبین کے نزدیک یہ فرائض نماز میں داخل نہیں ہے۔

اختلاف نمبر ۱۴۹

تعدیلِ ارکان

((وتعدیل الارکان ......فرض عند ابی یوسف والائمة الثلاثة لحدیث ابن مسعود)) (کبیری ص ۲۵۵)(شرح وقایہ ۱۶۳)

''اور تعدیلِ ارکان ابو یوسف و ائمہ ثلاثہ (امام مالک' شافعی اور احمد) کے نزدیک فرض ہے حدیثِ ابن مسعود کی وجہ سے۔

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''عینیؒ وغیرہ نے کہا کہ یہی قول مختار ہے اور اسی پر ابن الہمام کا جزم ہے۔''

(عین الہدایہ ص ۳۳۵)

☆ دراصل علامہ عینی اور ابن الہمام نے ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ مارا ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ سے ''غلطی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

اختلاف نمبر ۱۵۰

ترتیب

صاحبِ شرح وقایہ لکھتے ہیں:

((فانّ مراعاة الترتیب واجبة عند اصحابنا الثلاثة خلافاً لزفر فانها فرض عنده)) (شرح وقایہ ص ۱۶۲)

”ترتیب کا لحاظ رکھنا ہمارے تین اصحاب کے نزدیک واجب ہے زفر کے خلاف۔زفر کے نزدیک یہ فرض ہے۔“

ترتیب کا لحاظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا طریقہء ادا جس ترتیب کے ساتھ مشروع کیا گیا ہے اسی ترتیب سے ادا کرنا۔یعنی پہلے قیام پھر رکوع پھر قومہ اور پھر سجدہ وغیرہ۔

زفر کے علاوہ باقی ائمہ احناف کے نزدیک یہ ترتیب فرض نہیں ہے۔اگر بے ترتیب نماز پڑھی جائے اور آخر میں سجدہ سہو کرلیا جائے تو ان کے نزدیک نماز صحیح اور جائز ہے۔مگر زفر کے نزدیک سجدہ سہو سے بھی نماز جائز نہیں ہوگی کیونکہ فرض کو ترک کیا گیا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۵۱

قومہ وجلسہ

((وکذا القومة من الركوع و الجلسة بين السجدتين والطمانينة فيهما كلها فرائض عند ابى يوسف للحديث المذكور و عندهما هى سنن على ما ذكر فى الهداية وغيرها قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام وينبغى ان تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة))

(کبیری ص ۲۸۹)(عین الهدایه ص ۳۳۵)

”اور اسی طرح رکوع کے بعد قومہ اور دوسجدوں کے درمیان جلسہ اور ان دونوں میں اطمینان کرنا' یہ سب ابو یوسف کے نزدیک فرض ہیں حدیثِ مذکور کی وجہ سے۔اور ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک یہ سنت ہیں۔بوجہ اس جواب کے جو ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔اور شیخ کمال الدین ابن الہمام نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ کو واجب سمجھا جائے مواظبت کی وجہ سے۔(یعنی

مواظبت سے سنت کا نہیں بلکہ وجوب کا درجہ ثابت ہوتا ہے)"

اس مسئلہ میں احناف کے تین مذہب ہیں۔

❀ پہلا یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ و اطمینان فرض ہے۔اس مذہب کے مطابق ان میں سے کوئی فرض رہ گیا یعنی ادا نہ کیا تو نماز نہیں ہوگی نہ سجدہ سہو کے ساتھ اور نہ ہی اسکے بغیر۔

❀ دوسرا مذہب یہ ہے کہ قومہ وجلسہ واطمینان سنت ہیں۔اس مذہب کے مطابق اگر ان میں سے کوئی رہ بھی جائے تو نماز میں کوئی ایسی خرابی لازم نہیں آتی جس کی وجہ سے سجدہ سہو کرنا پڑے۔بلکہ اسکے بغیر بھی نماز صحیح ہوگی۔

❀ تیسرا مذہب یہ ہے کہ یہ تینوں واجب ہیں۔اس مذہب کے مطابق احناف کی تشریحات کے لحاظ سے اگر ان تینوں میں سے کوئی رہ گیا تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز درست ہو جائیگی۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجیے! کہ "اتحادی مجلس" کے انعقاد کی خوش کن داستانیں وضعی اور اختراعی ہیں یا نہیں۔مہینوں تک بحث و تمحیص" کرنے کے باوجود مجلسِ مذکور اور اسکے صدر اگر اپنے ہی شاگرد کو ایک حدیث کے بارے میں مطمئن نہیں کر سکے تو ایسی مجلس کے "انعقاد" سے احناف کو آخر کیا فائدہ حاصل ہوا؟۔

""آپس کا اختلاف" سروں پہ ناچ رہا ہے اور دوسروں کو "تقلیدِ شخصی" کی دعوت دی جا رہی ہے۔فیاللعجب (بڑے تعجب کی بات ہے)

اختلاف نمبر ۱۵۲

قراءتِ فاتحہ کا درجہ

((وقد قيل قراءة الفاتحة فى الأخريين فى الفرائض ايضاً سنة وهو ظاهر الرواية وقيل واجب وقيل مستحب))

(کبیری ص ۳۶۷)

''اور کہا گیا ہے کہ فرائض کی آخری دو رکعات میں سورت فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔اور کہا گیا ہے کہ واجب ہے۔اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔''

ایسی ''فقہ'' سے عبادات میں یکسوئی اور دلجمعی کا پیدا ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

جماعت

اختلاف نمبر ۱۵۳

امامت کا مستحق

((واولی الناس بالاما مة اعلمهم بالسنة وعن ابی یوسف اقراهم)) (هدايه باب الامامة)

''اور لوگوں میں سے امام کا زیادہ حق دار وہ ہے جو ان میں سے سنت کا زیادہ عالم ہو۔اور ابو یوسف کے نزدیک جو شخص ان میں سے زیادہ قرآن پڑھنے والا ہو زیادہ حق دار ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۵۴

کبڑا امام

علامہ سیّد امیر علی حنفی لکھتے ہیں:

''ظہیریہ میں ہے کہ سیدھے کا کبڑا امام ہونا مکروہ ہے اور یہی اصح ہے۔مع۔اور شیخین کے نزدیک جائز اور اسی کو عام علماء نے لیا ہے۔''

(عین الہدایہ ج ۱ ص ۴۴۹)

یعنی صحیح ترین فتویٰ تو یہ ہے کہ سیدھے آدمی کا امام کبڑا آدمی ہو تو یہ مکروہ ہے۔لیکن ابوحنیفہ و محمدؒ کے نزدیک جائز ہے اور عام علماء نے اسی کو قبول کر لیا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۵۵

دوافراد کی امامت

((وان امَّ اثنین تقدم علیهما وعن ابی یوسف یتوسطهما ونقل ذالك عن ابن مسعود)) (هدایه ایضا)

''اگر دوآدمیوں کی امامت کرے تو ان دونوں سے آگے کھڑا ہو۔اور ابوٗیوسف سے روایت ہے کہ امام دومقتدیوں کے درمیان کھڑا ہو۔اور انہوں نے یہ مسئلہ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔''

اب احناف کو چاہیے کہ ابن مسعودؓ کا یہ فتویٰ بھی قبول کرلیں خصوصاً جبکہ انکے ایک متبوع امام بھی اسکواپنا مذہب بناچکے ہیں۔ اثباتِ رفع الیدین کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کی صحیح ترین مرفوع حدیث کے مقابلے میں حضرت ابن مسعودؓ کا عمل پیش کرتے وقت احناف کو یہ یادنہیں رہتا کہ ابن مسعودؓ کے کچھ دیگر اعمال وہ خود بھی قبول کرنے کیلیے تیارنہیں ہیں۔دوسروں پر گستاخیء صحابہؓ کے تیر چلانے سے کبھی فرصت ملے تو ذرا اپنی کمین گاہ پر بھی نظر دوڑا لیجیے گا۔جاں بلب تڑپنے والوں کی وہاں بھی کمی نہیں ہوگی۔

اختلاف نمبر ۱۵۶

نابالغ کی امامت

((واما الصبی فلأنهٗ متنفل فلا یجوز اقتدا ء المفترض به و فی التراویح والسنن المطلقة جوّزهٗ مشائخ بلخ ولم یجوّزه مشائخنا)) (هدایه باب الامامة)

''اور نابالغ چونکہ متنفل ہوتا ہے (یعنی اس کے فرض بھی مثل نفل کے ہوتے

ہیں) اس لیے فرض پڑھنے والے کی اسکے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ اور نمازِ تراویح اور تمام سنتوں میں مشائخ بلخ نے اسکی اقتداء کو جائز قرار دیا ہے اور ہمارے مشائخ نے جائز نہیں کیا۔"

نوٹ: "ہمارے مشائخ" کے الفاظ سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ مشائخ بلخ شاید غیر حنفی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہاں "مشائخنا" کے الفاظ بالکل اسی طرح استعمال کیے گئے ہیں جس طرح امام زفر کے مقابلے میں "عندنا" اور "لنا" جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے اختلاف میں بھی آ رہا ہے

اختلاف نمبر ۱۵۷

عورت کی محاذاۃ

((وان لم ینوا ما متها لم تضره ولا یجوز صلوٰتها لأن الاشتراك دونها لا یثبت عندنا خلافاً لزفر))

(هدايه باب الامامة)

" (اگر کوئی عورت باجماعت نماز میں مرد کے پہلو میں کھڑی ہوگئی تو) اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تھی تو مرد کی نماز کا کچھ نقصان نہیں البتہ عورت کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ کیونکہ امامت کی نیت کے بغیر اشتراک ثابت نہیں ہونا ہمارے نزدیک زفر کے خلاف۔ (زفر کے نزدیک اشتراک نماز کچھ امام کی نیت پر موقوف نہیں ہے بلکہ اسکے بغیر بھی واقع ہوجاتا ہے۔)"

یہاں بھی وہی "عندنا" اور وہی امام زفر جو "خوش قسمتی" سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد بھی سمجھے جاتے ہیں۔ مگر جب بھی بیچارے سچی بات کرتے ہیں "عندنا" سے خارج کردیے جاتے ہیں۔

اختلاف نمبر ۱۵۸

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا

((ویکرہ للنساء حضور الجماعۃ ولابأس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب و العشاء عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ وقال ابویوسف ؒ ومحمدؒ یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوات))

(قدوری ص۲۶)(ھدایہ باب الامامۃ)

''اور مکروہ (تحریمی) ہے عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا۔اور ابوحنیفہ کے نزدیک اگر بوڑھی عورت فجر'مغرب اور عشاء کی نمازوں میں جماعت میں حاضر ہوتو کوئی حرج نہیں ہے۔اور امام ابویوسف وامام محمد نے کہا کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں میں حاضر ہوسکتی ہے۔''

اب امام زیلعی حنفی اور متاخرین مشائخ کی بھی سن لیجیے! مولانا اعزاز علی حنفی فرماتے ہیں:

((قال الزیلعی یکرہ فی الصلوات کلھا ویستوی فیہ العجائز والشواب وھو قول المتاخرین))

(التوضیح الضروری شرح قدوری ص۲۶)

''امام زیلعی نے کہا کہ تمام نمازوں میں جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ اور اس حکم میں بوڑھی اور جوان سب عورتیں برابر ہیں۔اور یہی قول متاخرین کا ہے۔''

یعنی متاخرین حضرات نے متقدمین کا جھگڑا ہی چکا دیا۔متقدمین نے جوان عورتوں پر جماعت میں نہ آنے کی پابندی عائد کی تھی اور متاخرین نے بوڑھی عورتوں کیلیے بھی مسجد کا دروازہ بند کردیا۔نہ رہے گا بانس'نہ بجے گی بانسری۔

اختلاف نمبر ۱۵۹

امام کا علیحدہ جگہ پر ہونا

((فان انفرد الامام عن القوم بالمکان الاسفل اختلف المشائخ فیہ ......قال الطحاوی لایکرہ ......وظاھر الروایۃ الکراھۃ)) (کبیری ص ۳۴۸)

''اگر امام نمازیوں سے علیحدہ نیچے کسی جگہ پر کھڑا ہو جائے تو اسکی کراہت میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے۔امام طحاویؒ نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے۔اور ظاہر الروایۃ میں مکروہ کہا گیا ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۶۰

نمازیوں سے اونچی اکیلی جگہ پر کھڑا ہونا

اگر امام اکیلا کسی بلند جگہ پر کھڑا ہو کر امامت کرائے تو مکروہ ہے۔لیکن کتنی بلندی مکروہ ہے اور کتنی بلندی مکروہ نہیں ہے' اسکے بارے میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔

((ثم مقدار الارتفاع الذی یحصل بہ کراھۃ الانفراد عن القوم ذکر الطحاوی انہ مقدار بقا مۃ الرجل وکذا روی عن ابی یوسف وقیل مقدار مایقع بہ الامتیاز وقیل مقدار ذراع اعتباراً با لسترۃ قا ل فی الکفایۃ ناقلاً عن الجامع الصغیر لقاضی خان وعلیہ الاعتماد وقال ابن الھمام والوجہ الوجیہ الثا نی یعنی ما یقع بہ الامتیاز))

(کبیری ص ۳۴۸) (عین الھدایہ ص ۵۱۵)

''پس بلندی کی وہ مقدار جس سے قوم سے علیحدہ ہونے میں کراہت آتی ہے

طحاوی نے بیان کیا کہ آدمی کے قد وقامت کے برابر ہو تو مکروہ ہے اور اس سے کم مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح ابو یوسف سے مروی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اتنی بلندی جسکی بنا پر دوسروں سے امتیاز واقع ہے مکروہ ہے۔ اور ایک قول میں ہے کہ ایک ہاتھ کی بلندی مکروہ ہے۔ صاحبِ کفایہ نے قاضی خاں کی جامع صغیر سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ اسی پر اعتماد ہے۔ اور ابن الہمام نے کہا کہ اوجہ قول دوسرا ہے یعنی امتیاز والا۔ کیونکہ کہ مقتدیوں کی تحقیر کا اشتباہ کچھ ایک ذراع پر موقوف نہیں بلکہ جس قدر پر امتیاز ہو سکے۔"

اس مسئلے میں احناف کے تین مذہب ہیں اور ہر ایک اپنے ہی مذہب کو سچا اور معتمد علیہ ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔ یعنی

عاقل بخرد نازاں مجنوں بجنوں

کل حزب بمالدیھم فرحون

اختلاف نمبر ۱۶۱

محراب کے اندر کھڑا ہونا

صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

((ویکرہ ان یقوم فی الطاق)) (باب الامامۃ)

"اور مکروہ ہے کہ امام تنہا طاق میں کھڑا ہو۔"

☆ صاحبِ ہدایہ کا یہ فتویٰ یا مذہب حرفِ آخر نہیں ہے بلکہ مشائخِ احناف نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے۔ صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں:

"اگر محراب ایسے طور پر ہو کہ امام کا حال مخفی نہ ہو تو امام کا تنہا قیام مکروہ نہیں یہی قول طحاویؒ کا ہے۔ اور سرخسی نے کہا کہ یہی اصح ہے ...... ابن الہمام نے اصل مسئلہ میں کلام کیا کہ امام کا ممتاز ہونا ایک مقامِ خاص میں شرعاً متقرر و

مطلوب ہے حتیٰ کہ متقدم ہونا اس پر واجب ہے اور محراب تو زمانہ ء رسول ﷺ سے بنتی چلی آئی ہے تو بعض بات میں موافقت کچھ نئی بات نہیں ہے تو محراب میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ نہ ہونا چاہیے۔'' (ص ۵۱۵)

اب حنفی احباب کو سوچنا چاہیے کہ صاحب ہدایہ نے 'اصح' قول ترک کر کے غیر اصح پر مذہب کی بنیاد کیوں رکھی ہے۔

اختلاف نمبر۱۶۲

معذورین کی جماعت میں حاضری

مترجم ہدایہ لکھتے ہیں:

''تحفہ میں ہے کہ جماعت اسی پر واجب ہے جو بلاحرج قادر ہو اور عذر سے ساقط ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مریض واندھے واپاہج پر واجب نہیں اور ابوحنیفہ کے نزدیک اندھے کو پہونچانے والا اور اپاہج کا لاد لیجانے والا ملے تو بھی وجوب نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ہوگا۔'' (عین الہدایہ ص ۴۴۱)

اختلاف نمبر۱۶۳

متیمم امام

صاحب ہدایہ کہتے ہیں:

((و یجوز ان یؤم المتیمم المتوضین وھذا عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز))

(ھدایه باب الامامة)(شرح وقایه مع عمدة الرعایه ص ۱۷۶)

''اور جائز ہے کہ تیمم کرنے والا امامت کرائے وضوء کرنے والوں کی۔ یہ ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کا مذہب ہے۔ اور امام محمدؒ نے کہا کہ جائز نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۶۴

چھوٹی ہوئی رکعت کس طرح پڑھے

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''ازاں جملہ مسبوق پہلے امام کے ساتھ پڑھے پھر چھوٹی ہوئی رکعات تنہا ادا کرے۔محیط السرخسی۔اور اگر پہلے چھوٹی رکعات پڑھنے لگا یعنی امام کی متابعت نہ کی تو ایک قول میں اسکی نماز فاسد ہوگئی یہی اصح ہے۔الظھیریہ۔ اور یہی اظہر ہے۔البحر۔دوسرا قول بعض متاخرین کا ہے کہ جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔المضمرات۔'' (عین الہدایہ ج۱ص۴۶۹)

یعنی کوئی تو ناجائز ہونے کو ''اصح'' اور ''اظہر'' کہہ رہاہے اور کوئی جائز ہونے کا فتویٰ جاری کررہاہے۔

اختلاف نمبر ۱۶۵

تکبیرِ تحریمہ میں تبدیلی

((فان قا ل بدلاً من التکبیر اللہ اجل او اعظم او الرحمٰن اکبر اجزاہ عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ و قال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لایجوز الا ان یقول اللہ اکبر او اللہ الاکبر او اللہ الکبیر))

(قدوری ص۲۲) (کبیری ص ۲۵۵)

''اگر نمازی نے تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اعظم یا الرحمٰن اکبر کہہ دیا تو امام ابوحنیفہ و محمد کے نزدیک کافی ہے اسکو۔یعنی جائز ہے۔اور ابو یوسفؒ نے کہا کہ اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر کے علاوہ کسی اور جملے سے نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے۔''

الفاظِ تکبیر کا یہ اختلاف یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا فقط کوئی سا مفرد نام ذکر کر دینے سے تکبیرِ تحریمہ کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آ رہا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۶۶

کلامِ تام یا مفرد نام؟

((ثم یشترط ان یکون الذکر کلاماً تاماً عند محمدؒ کالامثلة المذكورة وعند ابی حنیفة یکفی الاسم المفرد لاطلاق قولهٖ تعالیٰ وذکر اسم ربهٖ كذا فی الكفاية)) (کبیری ۲۵۶)

’’پھر یہ شرط ہے کہ (اللہ کے نام کا) ذکر پوری کلام ہو یعنی کلامِ مفید ہو ناقص نہ ہو۔ جیسا کہ مذکورہ (بالا) مثالیں ہیں۔ یعنی اللہ اجل واللہ اَعظم وغیرہا۔ اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا اکیلا نام کافی ہے کیونکہ ذکر اسم ربه میں مطلق نام کا ذکر ہے۔ اسی طرح کفایہ میں ہے۔‘‘

گویا ان کے نزدیک تعلیم اور طریقہء رسول کا عبادات میں کچھ حصہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن مقدس میں چونکہ اقیموا الصلوٰۃ کے ذریعے مطلق صلوٰۃ کا حکم آیا ہے۔ لہٰذا آپ مطلق ’’صلوٰۃ‘‘ ہی ادا کریں رسول اللہ کی سکھلائی ہوئی نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اختلاف نمبر ۱۶۷

تکبیر یا تسبیح وتمجید؟

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

’’پھر کیا سوائے تکبیر کے کلمہ تہلیل وتسبیح وتحمید وتبارک اللہ ومانند اسکے کلمات خالص تعظیم سے نماز شروع کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟ تو امام سرخسیؒ نے کہا کہ

اصح یہ کہ مکروہ نہیں ہے اور تحفہ وذخیرہ میں کہا کہ اصح یہ کہ مکروہ ہے کیونکہ اس نے سنت متواترہ کو ترک کیا۔" (ص ۳۴۴)

یاد رہے کہ تکبیر پر قادر ہونے کے باوجود کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ والحمد للہ وغیرہا کلمات سے نماز شروع کرنا ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک جائز ہے۔ اگرچہ کراہت ہو۔ (ص ۳۴۷)

اختلاف نمبر ۱۶۸

کراہت تحریمی یا تنزیہی؟

"پھر اگر مکروہ ہے تو کیسا تحریمی ہے۔ پس در مختار میں بنظر ظاہر دلیل کے اسکو مکروہ تحریمی کہا اور تبیین میں اسکو خلافِ اولیٰ قرار دیا یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔" (عین الہدایہ ج ا ص ۳۴۴)

یوں معلوم ہوتا ہے مشائخِ احناف نے قسم کھا رکھی ہے کہ کسی مسئلے میں اتفاق نہیں ہونے دیں گے۔ اپنے اپنے دارالافتاء کو چمکانے کیلیے مسائل پر اس قدر طبع آزمائی فرمائی گئی ہے کہ "فقہ" کا حلیہ ہی بگڑ کر رہ گیا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۶۹

اللہ کے اسماء خاصہ یا مشترکہ؟

((وفی الکفایۃ الاظہر الاصح ان الشروع یحصل بکل اسم من اسماء ئہ تعالیٰ کذا ذکرہ الکرخی وافتیٰ بہ المرغینانی انتھیٰ))

(کبیری ص ۲۵۶) (عین الہدایہ ص ۳۴۴)

"اور کفایہ میں ہے کہ اظہر واصح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے نماز شروع ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اسمائے خاصہ ہوں یعنی جیسے اللہ والرحمٰن وغیرہ۔ یا

اسمائے مشترکہ ہوں جیسے الرحیم والکریم وغیرہ۔اور یہی کرخی نے ذکر کیا اور مرغینانی نے اسی کا فتویٰ دیا ہے۔''

اسمائے مشترکہ کا مطلب ہے وہ نام جن کا اطلاق غیراللہ پر بھی کیا جاتا ہو۔تو ایسے اسماء سے بھی نماز شروع کرنا جائز کہا گیا ہے۔

مگر اس کے برعکس علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں:

((قوله او الرحمٰن وكذا بكل صفة لاتطلق الاعلى الله كا لخالق والرازق وان اطلق على غيرالله اولم يوجد مثله فى القرآن او ا شبه كلام الناس كالرحيم والحكيم والكريم لا يصير شارعاً به كذا فى البزازية))

(عمدة الرعاية ص ۱۶۵)

''الرحمٰن اور ہروہ صفت جس کا اطلاق غیراللہ پر نہیں ہوتا جیسے الخالق الرازق' تو ان سے نماز شروع کرنا جائز ہے۔اور اگر ایسی صفت یا نام ہے جو غیراللہ پر بھی بولا جاتا ہے یا اسکی مثل قرآن میں نہیں ہے یا وہ کلام الناس کے مشابہ ہے جیسے الرحیم' الحکیم اور الکریم' تو ایسے اسماء وصفات سے وہ نماز شروع کرنے والا نہ ہوگا۔یعنی ایسے ناموں سے نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے۔اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۷

پہلے تکبیر یا رفع الیدین؟

((ويرفع يديه مع التكبير وهو سنة لان النبى ﷺ واظب عليه وهذ اللفظ يشير الى اشتراط المقارنة وهو المروى عن ابى يوسف والمحكىٰ عن الطحاوى والاصح انه يرفع اولاً ثم يكبر)) (هدايه باب صفة الصلوٰة)

"اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ۔ یہ سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے۔ اور یہ لفظ (یعنی "مع") اشارا کرتا ہے کہ تکبیر اور رفع الیدین ساتھ ساتھ ہوں۔ اور یہی مروی ہے ابو یوسف سے اور حکایت کیا گیا ہے امام طحاوی سے (یعنی وہ یوں ہی کیا کرتے تھے۔) اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر بعد میں تکبیر کہے۔"

یعنی آپ ﷺ کی سنت تو یہ ہے کہ رفع الیدین اور تکبیر ایک ساتھ ہوں مگر صاحب ہدایہ کے بقول زیادہ صحیح یہ ہے کہ رفع الیدین پہلے کیا جائے اور تکبیرِ تحریمہ بعد میں کہی جائے۔

❀ اور پھر یہ اختلاف انہی دو گروہوں میں منحصر نہیں ہے بلکہ ایک تیسرا مذہب بھی بیان کیا گیا ہے۔ امام حلبی حنفی لکھتے ہیں:

((وقیل یکبرا وّلاً ثم یرفع)) (کبیری ص ۲۹۲)

اور کہا گیا ہے کہ پہلے تکبیر کہے اور بعد میں رفع الیدین کرے۔

سن لیجیے! یعنی یہاں فقہی مسائل کا کچومر نکلا ہوا ہے۔ مقلد بیچارہ کس کی تقلید کرے اور کس کی نہ کرے۔

اختلاف نمبر ۱۷۱

مقتدی کی تکبیر

((والمقتدی یکبر تکبیراً مقارناً بتکبیر الامام عند ابی حنیفة وعندهما یکبربعد تکبیر الامام والخلاف انما هو فی الافضلیة لا فی الجواز)) (کبیری ص ۲۹۳)

"امام ابوحنیفہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ مقتدی کی تکبیر امام کی تکبیر کے ساتھ ہو۔ اور صاحبین کے مذہب میں امام کی تکبیر کے بعد تکبیر کہنا افضل ہے۔"

نوٹ: یہاں حلبیؒ نے صرف افضلیت میں اختلاف بتایا ہے۔ لیکن ایک اور مقام پر لکھتے

ہیں:

((فی روایة عن ابی یوسف انه لا یصح شروعهٗ اذا کبَّر مقارنا)) (کبیری ص۲۵۸)

”یعنی ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر مقتدی نے امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی (جیسا کہ ابوحنیفہ کا مذہب ہے) تو اس کا نماز شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔“

اختلاف نمبر۱۷۲

تعوّذ

((ثم التعوذ تبع للقراءة د ون الثناء عند ابی حنیفة ومحمد لماتلونا حتیٰ یأتی به المسبوق دون المقتد ی ......خلافاً لابی یوسف)) (ھدایه باب صفة الصلوٰة)(کبیری ص۲۹۷)

”پھر تعوذ پڑھنا طرفین کے نزدیک قراء ت کا تابع ہے ثناء کا تابع نہیں ہے۔حتیٰ کہ مسبوق تو تعوذ پڑھے گا مگر مقتدی نہیں پڑھے گا (بشرطیکہ مقتدی حنفی مقلد ہو) ابو یوسف کے خلاف۔“

یعنی ابو یوسف کے نزدیک مقتدی بھی پڑھے گا اور مسبوق بھی شامل ہوتے وقت پڑھے گا۔کیونکہ ان کے نزدیک تعوذ قراء ت کا تابع نہیں ہے کہ جس نے قراء ت کرنی ہو وہی پڑھے۔بلکہ ان کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے۔اور ثناء تو فقہ حنفی میں مقتدی بھی پڑھتا ہے۔اور ایسی پڑھتا ہے کہ جہری نمازوں میں دورانِ قراء ت بھی امام کے سکتات میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

❁ مگر افسوس! کہ یہ اہمیت فاتحہ کو نہیں دی گئی جس کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۷۳

تسمیّہ سنت یا واجب؟

((فمیل الشیخ حافظ نسفی فی کتبہٖ وقاضی خان وصاحب الخلاصۃ وکثیر الیٰ انہاسنۃ ......وذکر الزیلعیؒ فی شرح الکنز ان الأصح انہا واجبۃ)) (کبیری ص۲۹۹)

''شیخ نسفی، قاضی خاں اور صاحبِ خلاصہ کا میلان اپنی کتب میں اس طرف ہے کہ تسمیہ سنت ہے۔کثیر مشائخ کا بھی یہی مذہب ہے۔اور امام زیلعی نے شرح کنز میں ذکر کیا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ تسمیّہ واجب ہے۔''

☆ اس کے بعد امام حلبی حنفی فرماتے ہیں کہ:

((اکثر العلماء قالوا بوجوبہا)) (ایضاً)

''یعنی اکثر علماء (احناف) وجوب کے قائل ہیں۔''

خلاصہ یہ ہوا کہ سنت کے قائل ''کثیر'' اور وجوب کے قائل ''اکثر۔''

سبحان اللہ! فقہ ہوتو ایسی ہواور ''اتفاق'' بھی ہوتو ایسا ہو۔سوچیے اور سمجھیے!

مرادِ ما نصیحت بود وگفتیم
حوالت باخدا کردیم ورفتیم

اختلاف نمبر ۱۷۴

محلِ تسمیّہ

((ففی روایۃ عن ابی حنیفۃ ان محلہا اول الصلوٰۃ والصحیح ان محلہا اول کل رکعۃ احتیاطاً لأن اکثر المشائخ علیٰ ہذا)) (کبیری ص۳۰۰)

''امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت میں ہے کہ تسمیہ کا مقام نماز کے آغاز میں

ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ تسمیہ کا مقام ہر رکعت کے آغاز میں ہے احتیاطاً۔ کیونکہ اکثر مشائخ کا یہی مذہب ہے۔''

یعنی حنفی مذہب اکثر مشائخ کے ووٹوں سے بنایا جارہا ہے۔جدھر اکثر اُدھر فتوٰی۔حالانکہ مسائلِ شرعیہ میں اکثریت کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ دلائل کی قوت دیکھی جاتی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۷۵

فاتحہ اور سورت کے درمیان

((ولا یأتی بین السورۃ و الفاتحۃ الا عند محمد فانه یأتی بها فی صلوٰۃ المخا فۃ))

(ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)(کبیری ص۳۰۱)(عمدۃ الرعایہ ص۱۶۶)

''اور نمازی سورت اور فاتحہ کے درمیان تسمیہ نہ پڑھے۔مگر امام محمدؒ کے نزدیک سِرّی نمازوں میں پڑھے۔''

اختلاف نمبر ۱۷۶

ثناء

((ثم یثنّی ولا یوجِّه)) (شرح وقایہ ص۱۶۵)

''پھر نمازی ثناء پڑھے اور انی وجھتُ وجھی الخ نہ پڑھے۔''

مگر علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

((ھذا عندنا واما عند ابی یوسف تستحب قراءتہٗ کیف و قد ثبت ذالک عن رسول اللہ ﷺ فی صحیح البخا ری و سنن ابن ماجه و سنن ابی داوٗد و جامع الترمذی و غیرھا))

(عمدۃ الرعایہ ص۱۶۵)

''یہ ہمارے نزدیک ہے۔اور رہے ابو یوسف تو انکے نزدیک یہ (یعنی انی

وجہتُ وجہی الخ) پڑھنا مستحب ہے۔اور کیسے نہ ہو جبکہ یہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے صحیح بخاری' ابن ماجہ' ابوداؤد اور جامع ترمذی وغیرہ میں۔"

قارئین نے ملاحظہ فرمایا! کہ یہاں ابویوسف نے اگر حدیث کی وجہ سے ایک چیز کو جائز اور مستحب کہہ دیا ہے تو انہیں "عندنا" سے خارج کر دیا گیا ہے۔

اختلاف نمبر ۱۷۷

حالتِ ثناء میں ہاتھ چھوڑنا

((ثم الاعتماد سنة القیام عند ابی حنیفة وابی یوسفؒ حتیٰ لایرسل حالة الثناء)) (ھدایہ باب صفة الصلوٰة)

"پھر ہاتھ باندھنا ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک قیام کی سنت ہے۔حتیٰ کہ ثناء پڑھنے کی حالت میں ہاتھ نہیں چھوڑے گا۔"

آپ کہیں گے اس میں ہاتھ چھوڑنے کا تو کہیں ذکر نہیں آیا۔تو گزارش ہے کہ درج بالا حوالے میں صرف شیخین کا مذہب بیان کیا گیا ہے۔کہ انکے نزدیک ہاتھ باندھنا چونکہ قیام کی سنت ہے لہذا حالتِ ثناء میں بھی ہاتھ بندھے ہونے چاہییں۔مگر امام محمد کے نزدیک ہاتھ باندھنا قیام کی سنت نہیں ہے بلکہ قرأت کی سنت ہے۔اور ثناء قرأت تو ہے نہیں اس لیے ان کے نزدیک ثناء میں ہاتھ نہیں باندھے جائیں گے۔صاحبِ عین الھدایہ لکھتے ہیں:

"اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ (ہاتھ باندھنا) سنت قرأت کی ہے۔تو قرأت سے پہلے ہاتھ چھوڑے رہے۔" (عین الھدایہ ج۱ ص۳۵۱)

اختلاف نمبر ۱۷۸

ثناء دورانِ قراءت

((واذا ادرك الشارع فی الصلوٰة عند شروعه الامام والحال

ان الامام یجهر بالقراء ة لایأتی بالثناء......وقال بعضهم یأ تی بالثناء عند سکتات الامام حال کون الثناء کلمةً کلمةً او کلمتین کلمتین بحسب مایمکنهٗ ......وروی عن الفقیه ابی جعفر الهندوانیؒ انه قال اذا ادرك الامام فی ا لفاتحة یثنِی بالاتفاق وان ادرکهٗ فی ا لسورة یثنِی عند ابی یوسف لاعند محمد)) (کبیری ص۲۹۷و ۴۹۱)

''اور جب نمازی نماز کے شروع میں ہی امام کو پالے اور حال یہ ہو کہ امام قراءت بالجہر کر رہا ہے تو مقتدی ثناء نہ پڑھے۔اور بعض ائمہ ومشائخ نے کہا کہ امام کے سکتوں میں ایک ایک یا دودو کلمے کرکے ثناء پڑھ لے جس طرح بھی ممکن ہو۔اور فقیہ ابوجعفر ہندوانی (حنفی) نے کہا کہ مقتدی اگر امام کو فاتحہ میں پائے تو سب کا اتفاق ہے کہ ثناء پڑھے۔اور اگر فاتحہ کے بعد والی کسی سورت(کی قراءت)میں پائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک پھر بھی ثناء پڑھے اور امام محمد کے نزدیک دورانِ سورت ثناء نہ پڑھے۔''

- یعنی جہری نمازوں میں اگر امام قراءت بالجہر کر رہا ہو تو دورانِ قراءتِ قرآن ثناء پڑھنی چاہیے۔اور پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ فاتحہ یا کسی دوسری سورت کی قراءت میں جب امام سکتہ کرے مقتدی ایک ایک کلمہ یا دودو کلمے کرکے ثناء پڑھ لے۔گویا اس طرح نہ تو فَا ستَمِعُوا لَهٗ وَ اَ نصِتُوا (القرآن) کی مخالفت لازم آئیگی اور نہ ہی امام کی قراءت سننے میں کوئی خلجان واقع ہوگا۔
- مگر حیف صد حیف ہے ان متعصب اور غالی مفتیوں پر جو امام کی اقتداء میں فاتحہ پڑھنے والوں کو مخالفِ قرآن اور کافر تک کہہ ڈالتے ہیں (العیاذ باللہ)۔

حالانکہ متعدد احادیثِ صحیحہ میں نبی کریم ﷺ نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔حتیٰ کہ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز ''خداج'' یعنی ناقص اور ادھوری ہے۔(مسلم)اور یہ بھی فرمایا کہ جس نے نماز

میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی‘اس نے نماز نہیں پڑھی۔(بخاری و مسلم وغیرہ)۔

ظلم اور بے انصافی کی انتہا دیکھیے !کہ آنحضرت ﷺ نے جس چیز (یعنی فاتحہ) کو نماز کی روح بلکہ خود نماز قرار دیا ہے‘اسکے پڑھنے پر تو مخالفتِ قرآن اور کفر تک کے فتوے جاری کیے جائیں۔اور جس چیز (یعنی ثناء) کو فاتحہ کے نصف حصہ جتنی اہمیت بھی نہیں دی گئی‘اسکے لیے جواز کے فتوے دیے جاتے ہیں۔

- امام اگر سورتِ فاتحہ بالجہر پڑھ رہا ہو تو فقہائے احناف کا حکم صادر ہوتا ہے کہ ’’یثنی بالا تفاق‘‘یعنی تمام ائمہ و مشائخ احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مقتدی ثناء پڑھے۔اور اگر امام کی قراءتِ فاتحہ کے دوران مقتدی حدیثِ رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے فاتحہ پڑھ لے تو فوراً اسکے خلاف فَاستَمِعُوا لَہٗ وَ اَنصِتُوا والی آیت پیش کردی جاتی ہے۔
- ثناء کے بارے میں فقہائے احناف اس قدر حساس ہیں کہ امام اگر ثناء ترک بھی کردے تو مقتدی کو بہر حال پڑھنے کا پابند ٹھہرایا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے

((تسعة اشياء اذا لم يفعلها الامام لايتركها القوم رفع اليدين فى التحريمة والثناء ماد ام الامام فى الفاتحة فان شرع فى السورة لايفعله المقتدى ايضاً عند محمد خلافاً لابى يوسف)) (كبيرى ص۴۹۱)

’’نو (۹) چیزیں ایسی ہیں کہ اگر امام نہ بھی کرے تو قوم (مقتدی حضرات) کو نہیں چھوڑنی چاہییں۔تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع الیدین اور ثناء جب تک امام فاتحہ پڑھ رہا ہو۔اور اگر فاتحہ کے بعد کوئی اور سورت شروع کر چکا ہو تو امام محمد کے نزدیک ثناء نہ پڑھے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک پڑھے۔‘‘

کاش !ان نو چیزوں میں رفع الیدین مابعد التحریمہ اور سورۃِ فاتحہ کو بھی شامل کرلیا جاتا تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔مگر برا ہو گروہی تعصب کا کہ اپنے مذہب کی تائید کیلیے تو ہر قسم کی تاویلیں اور ذہنی ورزشیں کرلی جاتی ہیں مگر حدیثِ رسول کا نام لیتے ہی ان

لوگوں کو 'مخالفت قرآن' کا بخار چڑھ جاتا ہے۔

تقلید کی عظمت

دراصل احناف کو غصہ یہ ہے کہ جو لوگ فاتحہ خلف الامام کے قائل وفاعل ہیں وہ حدیثِ رسول ؐ کا نام کیوں استعمال کرتے ہیں۔اور تقلید سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔ہاں !اگر وہ تقلید کے قائل ہو جائیں اور اطیعوا الرسول کے نعرے سے باز آ جائیں تو پھر انہیں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ جات کا مجموعہ عزیز الفتاویٰ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔اس میں وہ ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔سوال مع جواب پیشِ خدمت ہے۔

سوال: جو شخص امام کے پیچھے قرأۃ فاتحہ کا قائل ہو اس کے پیچھے حنفیہ کو نماز پڑھنا شرعاً ممنوع ہے یا نہ۔اگر ممنوع ہے تو اکثر علماء احناف وصوفیائے کرام جو قرأۃ خلف امام کے قائل تھے اُن کی اقتداء بھی جائز تھی یا نہیں۔بینوا توجروا؟

جواب: امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ شافعیہ بھی پڑھتے ہیں اور ضروری سمجھتے ہیں اُن کی اقتداء کو کوئی حنفی منع نہیں کرتا۔جھگڑا تمام عدمِ تقلید پر ہے......کاش اگر شافعی ہو کر قرأۃ خلف الامام کرتا مجتہد بن کر خطا میں نہ پڑتا تو پھر کچھ احتراز واعتراض نہ ہوتا۔(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۳)

دیکھا آپ نے !سارا جھگڑا ہی تقلید نہ کرنے کی بنا پر ہے۔اگر کسی کی تقلید کر کے فاتحہ خلف الامام پڑھے تو ''کچھ احتراز واعتراض'' نہیں ہے۔یعنی اس وقت نہ تو فاستمعوا لہ وانصتوا کی خلاف ورزی ہوگی اور نہ ہی اذا قرء فانصتوا کی مخالفت لازم آئیگی۔کیونکہ اس کے سامنے ایک امام کی تقلید ڈھال بن کر کھڑی ہو جائیگی۔بس ایک مجتہد کا نام استعمال کر کے جو جی میں آئے کرتا رہے۔نہ قرآن کا باغی بنے گا اور نہ حدیث کا منکر۔

اور اگر امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی استعمال کر کے اور فقط انہی کی طرف منسوب ہوکر فاتحہ خلف الامام پڑھے تو پھر وہ قرآن کا منکر بھی کہلائے گا اور گستاخِ صحابہؓ بھی۔ فیا للعجب ولضیعۃ العلم والمذھب۔

اختلاف نمبر ۱۷۹

امام قعدہ میں اور مقتدی ثناء میں

((وان ادرك الامام وھو فی القعدۃ الأولیٰ او الاخیرۃ قال بعضھم یکبر ویقعد من غیر ثناء وقال بعضھم یأتی با لثناء ثم یقعد)) (کبیری ص ۲۹۸)

''اگر کسی شخص نے امام کو قعدہ اولیٰ یا قعدہ اخیرہ میں پایا تو بعض ائمہ ومشائخ نے کہا کہ وہ تکبیر کہہ کر بیٹھ جائے۔ اور بعض نے کہا کہ پہلے ثناء پڑھے پھر بیٹھے۔''

قراءت

اختلاف نمبر ۱۸۰

فارسی میں قراءت

((فان افتتح الصلوٰۃ بالفارسیۃ اوقرء فیھا بالفا رسیۃ او ذبح وسمیّٰ بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ اجزاہ عند ابی حنیفۃ وقالا لایجزیہ الا فی الذبیحۃ)) (ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)

''اگر کسی نے نماز فارسی زبان میں شروع کی (یعنی اللہ اکبر کی بجائے خدائے بزرگ کہہ دیا) یا فارسی میں قراءت کی (یعنی مثلاً جزاء کی جگہ پاداش یا آفرین پڑھ دیا) یا ذبح کے وقت فارسی میں تسمیہ ادا کیا (یعنی تسمیہ کی جگہ بنامِ خدا کہہ دیا) تو ابوحنیفہ کے نزدیک اس کیلیے کافی ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ

سوائے ذبیحہ کے کسی چیز میں کفایت نہیں کرے گا۔یعنی جائز نہیں ہے۔''

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہیں بعد میں اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔مگر سچی بات یہ ہے کہ امام ممدوح کا رجوع کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔تعجب تو اس بات پر ہے کہ تدوینِ فقہ کی مزعومہ''اتحادی مجلس'' کے انعقاد کے باوجود اس قدر اہم مسئلہ کس طرح بلا تصفیہ رہ گیا۔مزید برآں جن حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ ایسی ''مہتم بالشان مجلس'' کے ہوتے ہوئے ''غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے'' انہوں نے انتہائی غلوّ اور کذب بیانی سے کام لیا ہے۔''سوال'' تو یقیناً پیدا ہو چکا ہے البتہ اب انہیں جواب کی فکر ضرور کرنی چاہیے۔

اختلاف نمبر ۱۸۱

قراءت کی مقدار

((واد نیٰ مایجزیء من القراءۃ فی الصلوٰۃ ما یتناولہٗ اسم القرآن عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف ومحمد رحمھما اللہ لایجوز اقل من ثلاث آیات قصا راوآیۃ طویلۃ))

(قدوری ص ۲۴)

''امام ابوحنیفہ کے نزدیک قراء ت کی کم سے کم مقدار جس سے نماز ہو جائے' اتنی ہی مقدار ہے جسے قرآن کا نام دیا جا سکے۔اور امام ابو یوسف وامام محمدؒ نے کہا کہ تین چھوٹی آیات یا ایک لمبی آیت سے کم مقدار جائز نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۱۸۲

مقتدی کی قراءت

((اذ ا کان المقتد ی حال الجھر بالقراءۃ بعیداً عن الامام

بحیث لایسمع صوتہٗ فقد اختلف المتأخرون فیہ کما اختلفوا فی وجوب الانصات علی البعید والخطیب یخطب قال بعضھم تجوز القراء ۃ والذکر وقال بعضھم یجب الانصات)) (کبیری ص۲۹۷)

''جب امام قراء ت بالجہر کررہاہو اور مقتدی امام سے دور کھڑا ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو اس میں متاخرین (مشائخ) نے اسی طرح اختلاف کیاہے جس طرح انہوں نے دورانِ خطبہ دُور والے آدمی کی خاموشی کے بارے میں اختلاف کیاہے۔بعض مشائخ نے کہا کہ دور والا نمازی امام کی قراء ت بالجہر کے دوران قراء ت کرسکتاہے اور اسی طرح دورانِ خطبہ ذکر بھی کرسکتاہے۔اور بعض نے کہا کہ خاموشی واجب ہے۔''

علاوہ ازیں اگر خطبہ سننے والا قریب بیٹھ کر خطبہ سن بھی رہاہو پھر بھی اسکو آہستہ آواز سے درود شریف پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

☆ شرح وقایہ میں ہے:

((الا اذا قرء قولہٗ تعالیٰ صلوا علیہ فیصلی سرّا)) (ص۱۷۵)

یعنی جب خطیب یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا والی آیت پڑھےتو سننے والے کو آہستہ آواز سے درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔

اسی طرح ہدایہ میں لکھا ہے۔اور ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ:

((قولہ فیصلی السامع فی نفسہٖ ای یصلی بلسانہٖ خفیاً)) (ص۶۴)

یعنی صاحبِ ہدایہ کا یہ کہنا کہ اپنے دل میں درود پڑھے'اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان سے آہستہ آواز میں پڑھے۔

☆ اسی طرح امام ابو یوسف کا قول ہے جو ابن الہمام نے نقل کیاہے:

((وعن ابی یوسف ینبغی ان یصلی فی نفسہٖ لان ذالك مما لایشغلہٗ عن سماع الخطبۃ فکان احرازاً للفضیلتین وھو

الصواب انتھیٰ)) (فتح القدیر ج ا ص ۲۶۵)

یعنی ابو یوسف سے مروی ہے کہ خطبہ سننے والے کو سزاوار ہے کہ درود آہستہ پڑھے۔اس واسطے کہ آہستہ پڑھنے سے اس کے خطبہ سننے میں خلل واقع نہیں ہوگا۔پس آہستہ درود پڑھنے میں دونوں فضیلتیں (یعنی خطبہ سننا اور آپؐ پر درود بھیجنا) حاصل ہوں گی اور یہی صواب ہے۔

- امام کی قراءت بالجہر میں دورانِ فاتحہ وغیرہ ثناء پڑھنا' اور جو مقتدی امام کی آواز نہیں سن رہا' اس کا امام کے پیچھے قراءت کرنا نیز درود والی آیت سنتے ہوئے آہستہ آواز میں درود شریف پڑھنا یہ ثابت کر رہا ہے کہ آیت وَاِذَا قُرِءَیَ الْقُرآنُ فَا سْتَمِعُوا لَهٗ وَاَ نصِتُوا خود احناف کے نزدیک عام مخصوص منہ البعض ہے۔کیونکہ ثناء پڑھنا' جب سنائی نہ دے تو مقتدی کا قراءت کرنا اور آہستہ آواز سے درود شریف پڑھنا اس آیت سے مخصوص کرلیا گیا ہے۔پس بمقتضائے حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب قراءتِ فاتحہ اس آیت سے مخصوص ہوگی اور آیت کا حکم ماعدا فاتحہ کے ساتھ متعلق ہوگا۔

اگر فقہائے احناف کے حکم سے ثناء کو خاص کیا جاسکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے فاتحہ کو کیوں نہیں خاص کیا جاسکتا؟۔

- احناف کی مشہور ومتداول کتاب اصول الشاشی میں لکھا ہے:

((واما العام الذی خص عنه البعض فحکمهٗ انه یجب العمل فی الباقی مع الاحتمال))

یعنی جس عام سے بعض افراد کو خاص کرلیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اُن افراد میں جو تخصیص کے بعد باقی رہ گئے ہوں' عمل کرنا واجب ہے۔مگر ان باقی افراد میں بھی تخصیص کا احتمال باقی رہتا ہے۔جیسے دوسرے دلائل ظنیہ کا حال ہے۔اور پھر فرماتے ہیں:

((فاذا قام الدلیل علی تخصیص الباقی یجوز تخصیصه

بخبر الواحد او القیاس)) الخ

یعنی جب باقی افراد کی تخصیص پر دلیل قائم ہو جائے تو پھر اسکی تخصیص خبرِ واحد یا قیاس سے ہوتی رہے گی۔

فلہٰذا اب اگر علمائے احناف اس آیت سے فاتحہ خلف الامام کی قراءت بالجہر کو ناجائز وممنوع ثابت کرنا چاہیں تو شوق سے کریں ورنہ اس آیت سے مقتدی کے آہستہ فاتحہ پڑھنے کو ناجائز وممنوع ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔

اختلاف نمبر۱۸۳

فرائض کی آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا

((وقد قیل قراءة الفاتحة فی الأخیرین فی الفرائض ایضاً سنة وهو ظاهر الروایة وقیل واجب وقیل مستحب))

(کبیری ص ۳۶۷)

''اور کہا گیا ہے کہ فرائض کی آخری دو رکعتوں میں بھی فاتحہ پڑھنا سنت ہے اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ واجب ہے۔اور ایک قول میں کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔''

یعنی اس مسئلہ میں ائمہ ومشائخ احناف کے تین گروہ ہیں۔

اختلاف نمبر۱۸۴

نیند میں قراءت

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''نوازل میں ہے کہ ایک نے نماز شروع کی پھر سو گیا اور سونے میں اس نے قراءت کی تو قراءت ادا ہوگئی۔......مگر امام مصنف (صاحبِ ہدایہ) نے 'تجنیس' میں کہا کہ مختار یہ ہے کہ سوتے کی قراءت نہیں جائز ہے کیونکہ ادائے

عبادت کے واسطے اختیار شرط ہے وہ نہیں پایا گیا انتہیٰ۔ (عین الھدایہ ص ۴۰۷ فصل فی القرأۃ) یہ نہ سمجھیے کہ مؤخر الذکر مذہب کو صاحبِ ہدایہ کے 'مختار' کہنے کی وجہ سے۔''

اول الذکر مذہب کی کوئی اہمیت ہی باقی نہیں رہی۔ بلکہ صاحبِ عین الھدایہ لکھتے ہیں:

- ''لیکن اوجہ وہی ہے جو فقیہ ابو اللیث نے نوازل میں اختیار کیا یعنی جائز ہے۔'' (ص ۴۰۷)
- فقیہ ابو اللیث کا پہلے بھی کہیں تذکرہ ہو چکا ہے۔ ان کا پورا نام ابو اللیث نصر بن محمد السمر قندی ہے۔ یہ احناف کے ہاں ''امام الھدیٰ'' کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ فقیہ ابو جعفر ہندوانی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے نوازل، العیون والفتاویٰ اور خزانۃ الفقہ تصنیف کی اور جامع صغیر کی شرح لکھی۔ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ التشریع الاسلامی ص ۴۴۸)

ان کا تعارف کروانے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین پر درج بالا مسئلے کے اختلاف کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اختلاف نمبر ۱۸۵

اعراب کا تغیر

''اگر اعراب کے تغیر دینے میں معنی نہ بگڑے تو نماز فاسد نہ ہوگی ...... اگر معنی بگڑے پس اگر ایسا فاحش تغیر ہو کہ جسکا اعتقاد کفر ہے، مثلاً البَارِءُ ی المُصَوِّر کو واؤ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جسکے معنی یہ ہوئے خالق تصویر گھڑا ہوا مورت بنایا ہوا۔ معاذ اللہ منہ۔ یا جیسے اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمَآءُ جسکے معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو عالم دین ہیں۔ اسکے اعراب اسطرح بدلے کہ اللہ برفع اور العلمآء بکسرہ پڑھا۔ جسکے معنی یہ ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عالم بندوں سے

ڈرتا ہے۔تعالی اللہ من ذالک۔تو ایسے تغیر اعرابی سے متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔متاخرین نے اختلاف کیا چنانچہ ابن مقاتل ومحمد بن سلام وابوبکر بن سعید بلخی اور ابوجعفر ہندوانی ومحمد بن الفضل وشمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔

❀ اب احناف کے 'درس نظامی' کی مشہور ومتداول کتاب 'منیۃ المصلی' کا حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔فرماتے ہیں:

((وعن ابی حنیفة فیمن قرء وَاِذا بتَلیٰ اِبرَاهِیمُ ربه وقرء الخَالِقُ البَارِءُی المُصَوِّرُ اوقرءَ وَهُوَ يُطعَمُ وَلَا يُطعِمُ لا تفسد صلوٰتهٗ)) (منية المصلی فصل فی زلة القاری)

''امام ابوحنیفہ سے اس شخص کے بارے میں روایت ہے جس نے واذابتلی ابراھیمُ ربہ پڑھا (میم کے ضمہ اور با کے فتحہ کے ساتھ۔جسکا معنی یہ ہے کہ جب ابراہیم نے اپنے رب کو آزمائش میں ڈالا) یاالخالق البارءی المصور پڑھا (یعنی واؤ کے فتحہ کے ساتھ صیغہ مفعول پڑھا۔جسکے معنی یہ ہے کہ ایسا خالق جسکی تصویر کسی اور نے بنائی ہے) یا وھو یطعم ولا یطعم پڑھا (یعنی پہلی عین کو فتحہ کیساتھ اور دوسری عین کو کسرہ کے ساتھ۔جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے کھِلایا جاتا ہے اور وہ کسی کو کھِلاتا نہیں ہے) تو ابوحنیفہ کے نزدیک اسکی نماز فاسد نہیں ہے۔''

یاد رہے کہ احناف کا فتوی ابھی عدمِ فساد پر ہے۔

(عین الہدایہ ص ۴۰۸ وکبیری ص ۴۴۷)

اختلاف نمبر ۱۸۶

کلماتِ قرآن کو قطع کرکے پڑھنا

اما الحکم فی قطع بعض الکلمة عن بعض لانقطاع نفس او نسیان الباقی بان اراد ان یقول الحمد لله فقال ال فانقطع

نفسهٗ اونسی البا قی ثم تذکر فقال حمد لله اولم یتذکر فترك الباقی وانتقل الیٰ کلمة اُخریٰ فقد کان الشیخ الامام شمس الائمه الحلوا ئی یفتی بالفساد فی مثل ذالك وبه قال بعض المشائخ ولٰکن عامّة المشائخ قالوا لا تفسد لعموم البلویٰ)) (کبیری ص۴۵۰)

نسیان یا سانس ٹوٹنے پر کلمہ کے بعض حصے کو بعض سے الگ کر دینے کا حکم یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کا ارادہ الحمد للہ پڑھنے کا تھا۔ مگر اس نے ال کہا تو اسکا سانس ٹوٹ گیا یا باقی حصے کو بھول گیا پھر اسے یاد آیا تو اس نے کہا حمد للہ۔ یا اسے باقی یاد نہ آیا اور اس نے کلمہ کے باقی حصے کو ترک کر دیا اور اگلا کلمہ پڑھنے لگ گیا تو امام شمس الائمہ حلوائی اس قسم کی صورت میں نماز کے فاسد ہو جانے کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اور اسی کے قائل ہیں بعض مشائخ۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی عمومِ بلویٰ کی وجہ سے۔

اختلاف نمبر ۱۸۷

کلمہ کے آخری حرف کو دوسرے کلمہ سے ملا دینا

((ولو وصل حرفاً من آخر بکلمة اُخریٰ بان یقرء ایّا کنعبد و ایّا کنستعین اوقرء ا نّآ اعطینا کا لکوثر......وما اشبه ذالك فانه صلوٰتهٗ لا تفسد علیٰ قول العا مّة ......وعلی قول بعض المشا ئخ تفسد صلوٰته)) (کبیری ص۴۵۱)

''اگر اس نے کلمہ کا آخری حرف دوسرے کلمہ سے ملا دیا جیسے ایاك نعبد' وایا کنستعین یا انا اعطینا کالکوثر وغیرہ (یعنی ایّا کو علیحدہ پڑھا اور نعبد ونستعین کو علیحدہ پڑھا۔ اسی طرح اعطینا کو الگ پڑھا اور کالکوثر کو الگ پڑھا) تو عامہ مشائخ کے نزدیک اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور بعض مشائخ کے قول پر فاسد ہو جائے گی۔

اختلاف نمبر ۱۸۸

قرآن میں اضافہ اور معنی میں تبدیلی

((وان غیَّر المعنیٰ نحوان یقرء والقرآن الکریم وانك لمن المرسلین بزیادۃ الواؤ وکذالك لوقرء وانّ سعیکم لشتیٰ ونحو ذالك فقد قالوا تفسد صلوٰتہٗ ......و فی المحیط قال بعض المشائخ اخاف ان تفسد صلوٰتہٗ انتہیٰ فہذا مع انہ لیس بقطع بالفساد یفید ان البعض یقولون لا تفسد))

(کبیری ص ۴۵۴)

''اور اگر اس نے معنی تبدیل کر دیا جیسے والقرآن الکریم (اصل میں والقرآن الحکیم ہے) وانک لمن المرسلین اس میں واؤ کو بڑھادیا (اس طرح معنی بدل گیا) اور اسی طرح اگر پڑھا وان سعیکم لشتیٰ (شروع میں واؤ بڑھا دیا گیا ہے) وغیرہ تو مشائخ نے کہا اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور محیط میں ہے کہ بعض مشائخ نے کہا کہ خطرہ ہے کہ اسکی نماز فاسد ہو جائے۔ یہ عبارت حکمِ فساد میں قطعی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مفید ہے کہ بعض مشائخ کہتے ہیں نماز فاسد نہیں ہوتی۔''

اختلاف نمبر ۱۸۹

قراءت از غیرِ قرآن

''اگر معنی میں تغیر نہیں لیکن یہ لفظ قرآن میں کہیں نہیں ہے جیسے قوامین بالقسط کے بجائے قیامین بالقسط پڑھا یا توابین کی جگہ تیابین پڑھا یا الحی القیوم کی جگہ الحی القیام پڑھا تو ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں اور ابو یوسفؒ کے نزدیک فاسد ہے۔'' (عین الہدایہ ج ۱ ص ۴۰۸ و کبیری ص ۴۴۷)

نظمِ قرآنی میں اس طرح کی تبدیلیوں کی رعایت جاری کرنے سے کہیں ایک اور ''قرآن'' کی تیاری تو نہیں کی جارہی۔کیا اس قسم کی چھوٹ دینے میں قرآن کی توہین نہیں ہے؟۔

قائلینِ فاتحہ خلف الامام کومخالفِ قرآن کہنے والے ذرا ادھر بھی توجہ فرمائیں کہ انکی فقہ قرآن مقدس میں کس قسم کی تبدیلیاں گوارا کر رہی ہے۔

اختلاف نمبر ۱۹۰

فاتحہ وسورت کی قضاء

وان قرء الفاتحة ولم يزد عليها فَلْيَقْرَءُ فی الاخريين الفاتحة والسورة ويجهر وهذا عند ابی حنيفة ومحمد وقال ابو يوسف لا يقضی واحدة منهما)) (هدايه فصل فی القرآة)

''اور اگر اس نے فاتحہ پڑھی اور اس پر زیادہ نہ کیا (یعنی سورت یا اسکی مثل نہ پڑھے۔اگر چہ عمداً چھوڑی ہو) تو پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھے اور جہر کرے۔اور یہ ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک ہے۔اور ابو یوسف نے کہا کہ دونوں میں سے کسی کی قضاء نہ کرے۔''

فاتحہ یا اس کے ساتھ سورت کی قضاء و عدمِ قضاء کے مسئلے میں ائمہ احناف کا اختلاف یہیں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ دیگر حضرات نے بھی طبع آزمائی فرمائی ہے۔☆ سیّد امیر علی حنفی شارح ہدایہ لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ اس مسئلہ میں چار قول ہیں۔اول تو یہی قول جو متن میں ذکر کیا اور یہی ظاهر الروایۃ ہے۔دوم اس کا اُلٹا حکم یعنی فاتحہ کی قضاء کرے سورۃ کو نہ کرے اور یہ شیخ عیسیٰ بن ابان کا قول ہے۔سوم قول ابو یوسف کہ دونوں میں سے کسی کو قضاء نہ کرے۔چہارم حسن کی روایت ابوحنیفہ سے کہ فاتحہ وسورت دونوں کی قضاء کرے۔''

(عین الہدایہ ص۴۱۶)

ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے

اختلاف نمبر۱۹۱

قضاء کی صورت

''پھر کیونکر (یعنی یہ بات کہ کسطرح قضاء کی جائے) تو بعض مشائخ نے کہا کہ پچھلیوں میں سورۃ مقدم کرے۔ اور بعض نے کہا کہ فاتحہ مقدم کرے''

(عین الہدایہ ص۴۱۶)

اختلاف نمبر۱۹۲

قضاء واجب یا مستحب؟

''رہا بیان اس کا کہ یہ قضاء واجب ہے یا مستحب ہے تو امام مصنف (صاحبِ ہدایہ) نے فرمایا کہ: ثم ذکر ھٰھنا۔ پھر ذکر کیا ظاہر الروایت میں اس مقام ف یعنی امام محمدؒ نے جامع صغیر میں۔ ع۔ یا کتاب میں مصنف نے ما یدل علی الوجوب وہ لفظ جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسی طرف امام مصنف نے اشارہ کیا۔ م۔ درمختار نے اسی کے اصح ہونے کا اشارہ کیا۔۔۔ وفی الاصل بلفظ الاستحبا ب اور امام محمد نے اصل یعنی مبسوط میں بلفظ استحباب ذکر کیا۔۔ تو روایت میں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ الفتح۔ یعنی ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ قضاء کرنا مستحب ہے۔'' (ہدایہ مع عین الہدایہ ص۴۱۶)

یعنی صاحب ہدایہ اور صاحبِ درمختار نے وجوب کی طرف اشارہ کیا بلکہ مؤخر الذکر نے تو وجوب کو ہی صحیح قرار دیا۔ اور صاحب فتح یعنی امام ابن الہمام نے استحباب کو معتمد علیہ قرار دیا۔ کسی نے وجوب کو ظاہر الروایۃ کہا اور کسی نے استحباب کو ظاہر الروایۃ سمجھا۔

کم از کم ''اتحادی مجلس'' کا مرتب کردہ ''رجسٹر'' ہی دستیاب ہوجاتا تو اس

جھنجھٹ سے جان چھوٹ جاتی۔تعجب ہے کہ احناف اس قدر اہم رجسٹر کی بھی حفاظت نہ کر سکے اور اپنی لاپرواہی سے اسے ضائع کر بیٹھے۔

اختلاف نمبر۱۹۳

قضاء میں جہر یا اخفاء؟

''اب رہا یہ کہ جب سورۃ کو قضاء کرے تو وہ جہر سے تھی اور اخیرین کا فاتحہ اخفاء سے ہے تو بیان فرمایا کہ ویجھر بھما اور سورۃ وفاتحہ دونوں کا جہر کرے ہوا صحیح یہی صحیح ہے۔۔۔اور یہی مبسوط شمس الائمہ سرخسی وجامع قاضی خان میں ہے۔ع۔اور ایک روایت امام ابوحنیفہ سے یہ ہے کہ سورۃ کا جہر کرے اور فاتحہ کو اخفاء کے ساتھ اپنے حال پر رکھے۔۔۔او، تمرتاشیؒ نے اسی کو صحیح کہا اور خواہرزادہ نے اسی کو ظاہر جواب ٹھہرایا۔مف۔اور یہی فخر الاسلام نے اختیار کیا۔ ع۔مترجم کہتا ہے کہ جب اصح یہ ہے کہ قضائے سورۃ مستحب ہے اور اصح یہ کہ فاتحہ پچھلی رکعتوں میں واجب ہے تو اصح قول یہ ہوا کہ اخیرین میں دونوں کو اخفاء کرے۔'' (ہدایہ مع عین الہدایہ ج۱ ص۴۱۶ و ۴۱۷)

خلاصہ یہ ہوا کہ مسئلہء قضاء کی اس جزء میں بھی تین مذہب ہیں۔

☆ سورۃ وفاتحہ دونوں کا جہر کرے۔اس مذہب کو صاحبِ ہدایہ' امام سرخسی اور امام قاضیخاں نے صحیح قرار دیا ہے۔

☆ سورۃ کا جہر کرے اور فاتحہ کا اخفاء۔یہ ابوحنیفہ سے مروی ہے۔اور اسے امام تمرتاشی (تنویر الابصار کے مصنف)' امام ابوبکر خواہرزادہ اور فخر الاسلام بزدوی نے صحیح کہا ہے۔

☆ سورۃ اور فاتحہ دونوں کو اخفاء کرے۔اسے صاحب عین الہدایہ نے 'اصح' قرار دیا ہے۔

اے بے خبر بکوش کہ صاحب خبر شوی
تا راہ بیں نہ باشی کے راہبر شوی

اختلاف نمبر۱۹۴

جہراور اخفاء کی تعریف

((ثم المخافة ان يسمع نفسه والجهر ان يسمع غيره وهذ اعند ابی جعفر الهند وانی لأن مجرد حركة اللسان لا يسمى قراءة بد ون الصوت وقال الكرخي ادنیٰ الجهر ان يسمع نفسه وادنى المخا فة تصحيح الحروف لأن القراءة فعل اللسان دون الضماخ)) (هدايه فصل فی القراء ة)

''پھر اخفاء سے پڑھنا یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے۔ کیونکہ بغیر آواز کے خالی زبان کی حرکت کا نام قرأت نہیں کہلاتا۔ یہ فقیہ ابو جعفر ہندوانی کے نزدیک ہے۔ اور امام کرخی نے کہا کہ جہر کا کمتر درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور اخفاء کا کمتر درجہ یہ ہے کہ حروف صحیح نکلیں۔ کیونکہ قراءت تو زبان کا فعل ہے نہ کہ کان کا۔''

☆ قراءت کے بارے میں مندرجہ بالا خط کشیدہ عبارتیں ذہن میں رکھتے ہوئے امام محمدؒ کا ارشاد بھی پڑھ لیجیے:

''عینیؒ نے لکھا کہ امام محمدؒ نے 'اصل' میں یوں فرمایا: ان شا ء قرء فی نفسہٖ وا ن شاء جهر وا سمع نفسهٗ یعنی منفرد چاہے اپنے نفس میں پڑھے اور چاہے جہر کرے اور اپنے آپ کو سناوے۔ پس یہ صریح ہے کہ اپنے آپ کو سنانا جہر قرار دیا اور اس کے مقابل میں اپنے نفس میں پڑھنا اخفاء قرار دیا اور یہی قول کرخی ہے۔''

(عین الہدایہ ص ۴۱۷۔۴۱۸)

فقیہ ابو جعفر ہندوانی' امام کرخی' امام عینی اور امام محمدؒ یہ سارے حضرات حنفی ہیں جنھوں نے واضح اور صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ قراءت زبان کا فعل ہے

اور اپنے نفس میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اخفاء سے پڑھا جائے مگر پڑھنا

زبان سے ہے چاہے محض حروف کی تصحیح کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھا جائے۔

☆ مگر مسلکی تعصب اور خود پرستی کی انتہاء دیکھیے کہ جب یہی بات حدیث کے الفاظ ''اقرء بها فی نفسك'' (مسلم) کے بارے میں کہی جاتی ہے تو حنفی حضرات قراءۃ کو فعل اللسان تسلیم نہیں کرتے بلکہ نہایت ڈھٹائی سے قراءت کو دل کا فعل قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ خود انکی اپنی تعریف وتصریح کے مطابق قراءۃ زبان ہی کا فعل ہے نیز قراءۃ فی النفس کا معنی حنفی مشائخ کے ساتھ ساتھ امام محمد نے بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ اسکا مطلب ہے اخفاء یعنی آہستہ آواز سے پڑھنا۔لیکن حنفی احباب کیلیے سب سے بڑی ''مصیبت'' یہ ہے کہ اگر حدیث کے الفاظ میں بھی یہی معنی تسلیم کرلیں تو قراءتِ فاتحہ خلف الامام کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔لہذا حدیث کے معنی میں ڈنڈی مارنا انکی مسلکی مجبوری ہے۔

آئینہ ء دل کو لگ جاتے ہیں زنگ اوہام کے
بدل جاتے ہیں جب معنے سرمدی پیغام کے

اختلاف نمبر ۱۹۵

قرآن سے دیکھ کر پڑھنا

((واذا قرء الامام من المصحف فسدت صلوٰتهٗ عند ابی حنيفة وقالا هی تامّة لأنهٗ عبادة انضافت الیٰ عبادة))

(هدایه باب ما یفسد الصلوٰۃ ومایکره فیها)(کبیری ص ۴۲۳)

''اور اگر نماز میں قرأت کی امام نے (یا منفرد نے) قرآن سے دیکھ کر تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسکی نماز فاسد ہوگئی۔اور صاحبین نے کہا کہ دیکھ کر پڑھنے والے کی نماز پوری ہے۔کیونکہ یہ (یعنی قرأت) ایک عبادت ہے جو دوسری عبادت (یعنی قرآن میں نظر کرنا) سے مل گئی ہے۔(تو فساد کی کوئی وجہ نہیں ہے)۔''

اختلاف نمبر ۱۹۶

بغیر قراءت کے نوافل

((وان صلیٰ اربعاً ولم یقرء فیھن شیئا اعاد رکعتین وھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد وعند ابی یوسف یقضی اربعاً)) ‘

(ھدایہ فصل فی القرآۃ)(کبیری ص۳۷۸-۳۷۹)

”اگر کسی نے چار رکعات نفل پڑھے اور چاروں میں سے کسی رکعت میں بھی قرأت نہ کی تو ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک اس پر دو رکعت قضاء واجب ہے۔اور ابو یوسف کے نزدیک چار رکعات قضاء کرے۔“

اختلاف نمبر ۱۹۷

ایک ایک رکعت میں قرأت

((ولو قرء فی احد ی الاولیین واحد ی الاخریین علی قول ابی یوسف قضاء الاربع وکذا عند ابی حنیفۃ ……وعند محمد قضاء الاولیین)) (ایضاً)

”اگر پہلی دو رکعت اور آخری دو رکعت میں سے ایک ایک رکعت میں قرأت کی تو ابو یوسف کے قول پر چار کی قضاء کرے اور اسی طرح ہے (اس مسئلے میں)ابوحنیفہ کے نزدیک بھی۔اور امام محمد کے قول پر پہلی دو رکعات قضاء کرے۔“

یعنی ابو یوسف تو اُسی قول پر ہیں البتہ یہاں طرفین میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔

یعنی اس مسئلے میں امام محمد بھی امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہو گئے ہیں ۔مگر افسوس تو مفتی راندیر جناب سید مہدی حسن شاہصاحب پر ہے جو خود شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسا بیٹھے ۔اب اس سنگ باری کا نتیجہ سامنے ہے۔

اختلاف نمبر ۱۹۸

پہلی دو میں سے صرف ایک میں قرأت

((ولو قرء فی احدی الأُولیین لا غیر قضیٰ اربعاً عندھما وعند محمد قضیٰ رکعتین)) (ایضاً)

"اگر صرف پہلی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قرأت کی اور باقی کسی رکعت میں قرأت نہ کی تو شیخین کے نزدیک چار رکعات قضاء کرے۔ اور امام محمد کے نزدیک دو رکعات قضاء کرے۔"

اختلاف نمبر ۱۹۹

آخری دو میں سے ایک میں قرأت

((ولو قرء فی احد ی الأُخریین لا غیر قضیٰ اربعاً عند ابی یوسف وعند ھما رکعتین)) (ایضاً)

"اور اگر صرف آخری دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں قرأت کی اور دوسری کسی رکعت میں قرأت نہ کی تو ابو یوسف کے نزدیک چار رکعات قضاء کرے اور ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک دو رکعات قضاء کرے۔"

ائمہ احناف کا اختلاف تو اپنی جگہ پر متحقق اور ثابت ہے۔ البتہ ابو یوسف کا ایک ہی قول پر رہنا اور طرفین کا بدلتے رہنا صاف بتا رہا ہے کہ اندرونِ خانہ کچھ گڑ بڑ ضرور ہے۔

اختلاف نمبر ۲۰۰

اُمّی امام اور مخلوط جماعت

((واذا صلی اُمّی بقوم یقرئون وبقوم امیین فصلوٰتھم فاسدۃ عند ابی حنیفۃ وقالا صلوٰۃ الامام ومن لم یقرءتامۃ لأنہٗ

معذور اَمَّ قوماً معذورین))

(ھدایہ باب الامامۃ)(کبیری ص ۴۸۴)(عمدۃ الرعایہ ص ۱۸۲)

''اگر نماز پڑھائی اُمی نے اور اسکے پیچھے کچھ لوگ قاری ہیں اور کچھ اُمی ہیں، تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سب کی نماز فاسد ہے۔ اور صاحبین نے کہا کہ امام کی نماز اور اُمی مقتدیوں کی نماز مکمل اور پوری ہے۔ کیونکہ ایک معذور اُمی نے معذورین کو نماز پڑھائی۔''

اپنی ''فقہ'' کے دامن میں اس قدر ''پائیدار'' اختلافات رکھتے ہوئے دوسروں کو ''آپس میں مختلف'' ہونے کا طعنہ دینا ایک مجذوبانہ حرکت کے سوا کچھ نہیں۔

اختلاف نمبر ۲۰۱

آخری دو رکعت میں اُمی امام

((فان قرء الامام فی الأُولیین ثم قدّم فی الأُخریین اُمیّاً فسدت صلوٰتھم وقال زفر لاتفسد))

(ھدایہ باب الامامۃ)(شرح وقایہ ص ۱۸۳)

''اگر امام نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کر دی پھر آخری دو رکعتوں کیلیے اُمی کو اپنا نائب کر دیا (مثلاً امام کو حدث ہوا اور اسکے محاذی ایک اُمی شخص کھڑا تھا اسکو آگے بڑھا دیا) تو سب مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور امام زفر نے کہا کہ کسی کی بھی فاسد نہیں ہوگی۔''

سب کہو سبحان اللہ!

اختلاف نمبر ۲۰۲

امام قرأت سے بند ہو گیا

((وان حصر الامام عن القراء ۃ فقدم غیرہ اجزاھم عند ابی

حنیفة و قالا لا یجزیھم))

(ھدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ)(شرح وقایہ ص ۱۸۷)

''اور اگر امام قرأت سے بند ہوگیا (حتیٰ کہ ایک آیت بھی نہ پڑھ سکا) پس اس نے دوسرے کو آگے کر دیا۔تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقتدیوں کو کافی ہے (یعنی ایسا کرنا جائز اور صحیح ہے)۔مگر صاحبین نے کہا کہ ان کو یہ کافی نہیں ہے۔''

❀ بلکہ صاحبین کے نزدیک وہی پہلا امام بغیر قرأت کے نماز پوری کرے۔اور دوسرا قول صاحبین کا یہ ہے کہ از سرِ نو نماز پڑھائے۔(عین الہدایہ ص ۴۷۹)

اب صاف ظاہر ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی گئی تو صاحبین کے مذہب کے مطابق وہ نماز کافی اور صحیح نہیں ہوگی۔ ع:

شاباش آں صدف کہ چناں پرورد گہر

اختلاف نمبر ۲۰۳

قومہ میں تحمید

((ویقول المؤتم ربنالك الحمد ولا یقولھا الامام عند ابی حنیفة و قالا یقولھا فی نفسہ)) (ھدایہ باب صفة الصلوٰۃ)

''اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد اور امام نہ کہے۔یہ ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔اور صاحبین نے کہا کہ امام بھی اسکو آہستہ کہے۔''

یعنی ابوحنیفہ کے نزدیک امام فقط سمع اللہ لمن حمدہ اونچی آواز سے کہے اور ربنا لک الحمد بالکل نہ کہے۔مگر صاحبین کے نزدیک امام ربنا لک الحمد بھی کہے مگر آہستہ آواز میں۔

ثابت ہوا کہ ''فی نفسہ'' پڑھنے کا مطلب ہے آہستہ آواز سے پڑھنا۔محض دل میں غور کرنا مراد نہیں ہے۔صرف فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں ''ا قرء بھا فی

نفسك" (مسلم) یا "اقرء هافی نفسك" (صحیح ابوعوانہ۔ مسند حمیدی وغیرہ) کا مطلب بیان کرتے ہوئے احناف کی لغت اور زبان بدل جاتی ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ میں شمس الأئمہ حلوائی اور امام طحاوی کے علاوہ متاخرین کی ایک جماعت نے صاحبین کا مذہب اختیار کیا ہے۔ (کبیری ص ۳۱۱)

اختلاف نمبر۲۰۴

قومہ' ثناء' قنوت ونمازِ جنازہ میں ہاتھ چھوڑنا

احناف نے ہاتھ باندھنے اور چھوڑنے کا ایک اصول بیان فرمایا ہے۔ جس میں وہ "خود آپس میں مختلف" ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے!:

((ثم الوضع سنة لكل قيام فيه ذكر مسنون عند ابی حنيفةؒ وابی یوسفؒ و عند محمدؒ سنة لكل قيام فيه قراءة فيضع فی حال الثناء والقنوت وصلوٰة الجنازة عندهما خلافاً لهٗ))

(کبیری ص ۲۹۴)

"پھر ہاتھ باندھنا سنت ہے ہر اُس قیام میں جس میں کوئی ذکرِ مسنون ہو' ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک۔ اور امام محمد کے نزدیک ہاتھ باندھنا سنت ہے ہر اُس قیام میں جس میں قرأت ہو۔ پس اُن دونوں کے نزدیک تو ثناء' دعائے قنوت اور نماز جنازہ میں ہاتھ باندھے جائیں اور امام محمد کے نزدیک ہاتھ نہ باندھے جائیں۔ (کیونکہ ان تینوں قسم کے قیام میں حنفیہ کے نزدیک قرأت نہیں کی جاتی)۔"

اب اس مسئلہ میں تمام حنفیوں نے شیخین کی "تقلید شخصی" نہیں کی بلکہ بعض نے امام محمد کی بھی "تقلیدِ شخصی" فرمائی ہے۔ امام حلبی لکھتے ہیں:

((خلافاً لماقا لهٗ ابوحفص الفضلی ان السنة فی هذه المواضع الارسال اختياراً منه لقول محمد فالأخذ عندهٗ سنة قيام فيه قراءة)) (کبیری ص ۳۱۲)

''یعنی امام ابوحفص الفضلی نے کہا کہ ان مقامات (یعنی ثناء' قنوت اور نمازِ جنازہ) میں ہاتھ چھوڑنا سنت ہے۔انہوں نے اس بارے میں امام محمد کا قول اختیار کیا ہے۔''

امام محمد کے نزدیک (دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو) پکڑنا یعنی ہاتھ باندھنا اس قیام میں سنت ہے جس میں قرأت ہوتی ہو۔

☆ اس اختلافی اصول کے نتیجے میں ایک اور اختلاف بھی موجود ہے جسے مذکورہ بالا اختلاف کی طرح مقلدین کی نظروں سے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔امام حلبی حنفی شارحِ منیہ لکھتے ہیں:

((وذکر السید الامام ابو شجاع فی الملتقط انه یأخذ الید الیسریٰ بالیمنیٰ فی تلك القومة علیٰ قولهما خلافاً لمحمد بناء علیٰ وجود الذکر المسنون وان قلّ))

(کبیری ص ۳۱۲)

''اور سیّد امام ابو شجاع (حنفی) نے ''ملتقط'' میں بیان کیا کہ ابوحنیفہ وابویوسف کے اصول پر قومہ میں نمازی دائیں ہاتھ سے بائیں کو پکڑے امام محمد کے خلاف۔کیونکہ قومہ میں ذکرِ مسنون موجود ہے اگرچہ تھوڑا ہے۔(لیکن ہے تو سہی!)''

مگر حنفی مقلدین امام ابو حنیفہ وابویوسف کے اس اصول سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔اور نہ ہی انہوں نے اپنے مذہب کے ''سید امام'' کے اس تعاقب کا کوئی شافی جواب دیا ہے۔

اختلاف نمبر ۲۰۵

ناک پر سجدہ

((فان اقتصر علیٰ احد هما جاز عند ابی حنیفةؒ وقالا لا

یجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر)) (قدوری ص ۲۲)
''اگر ناک اور پیشانی میں سے کسی ایک پر سجدہ کرلے تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔اور صاحبین نے کہا کہ بلا عذر فقط ناک پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔''

صاحبِ شرح وقایہ لکھتے ہیں:

((یجوز عند ابیحنیفۃ الاکتفاء بالأنف عند عدمِ العذر خلافاً لھما والفتوٰی علی قولھما)) (شرح وقایہ ص ۱۶۰)
یعنی ابوحنیفہ کے نزدیک بلا عذر فقط ناک پر سجدہ کرنا جائز ہے صاحبین کے خلاف۔اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

گویا اس مسئلہ میں بھی مقلدین سے بیوفائی کا جرم سرزد ہو چکا ہے۔امام ابوحنیفہ کی ''تقلیدِ شخصی'' ترک کر کے انکے مخالفین کا دامن تھام لینا شیوہء وفاداری نہیں ہے۔

اختلاف نمبر ۲۰۶

دوسجدوں کے درمیان جلسہ

((فاذا اطمئن جالساً کبّر وسجد لقولہٖ علیہ السلام فی حدیث الاعرابی ثم ارفع راسك حتیّٰ تستوی جالساً ولولم یستو جالساً وکبر وسجد اخریٰ اجزاہ عند ابی حنیفۃ ومحمد)) (ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)
اور جب (پہلے سجدے سے اٹھ کر) اطمینان سے بیٹھ جائے تو تو تکبیر کہے اور دوسرا سجدہ کرے۔بدلیل فرمان آنحضرت ﷺ کے حدیثِ اعرابی میں ثم ارفع رآسك الخ (یعنی اعرابی کو تعلیم کیا کہ) پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ تو بالکل سیدھا ہو کر بیٹھ جائے۔اور اگر سیدھا ہو کر نہ بیٹھا اور تکبیر کہہ کر سجدہ کیا تو ابوحنیفہ ومحمد کے نزدیک اسے کافی ہے۔

لیکن ابو یوسف کے نزدیک کافی نہیں ہے۔کیونکہ ان کے مذہب میں تعدیلِ

ارکان واطمینان فرض ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نماز میں اگر کوئی ایک فرض بھی چھوٹ جائے تو نماز نہیں ہوتی۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

حدیث پر قولِ امام کو مقدم کر دیا

تقلیدِ شخصی میں غلو کی انتہاء یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حدیثِ رسولؐ پر قولِ امام کو ترجیح دیدی گئی ہے۔

☆ صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

"لقوله علیه السلام ثم ارفع رآسك الخ یعنی اعرابی کو تعلیم کیا دی کہ پھر سجدہ سے اپنا سر اٹھا یہاں تک کہ بالکل سیدھا ہو کر بیٹھ جائے۔ ف۔ اور معلوم ہو چکا کہ یہ قومہ کہلاتا ہے اور صحیح یہ کہ واجب ہے ولیکن مشائخ نے اس کو بقول ابوحنیفہ واجب نہیں جانا۔" (عین الہدایہ ص ۳۸۱)

یعنی تعلیمِ رسولؐ تو یہ ہے کہ پہلے سجدے سے اٹھ کر سیدھا ہو کر اطمینان سے بیٹھنا ضروری ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ نے چونکہ اسکو ضروری نہیں سمجھا اس لیے مشائخ احناف نے بھی اس جلسہ کو واجب نہیں سمجھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ صرف الزام ہی نہیں بلکہ ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ تقلید کی وجہ سے کئی احادیث اور صحیح مسائل کو رد کر دیا گیا ہے۔

اختلاف نمبر ۲۰۷

پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کی مقدار

((وان رفع راسهٗ عن الارض من السجدة الأُولٰى رفعاً قليلاً ولم يستو قاعداً ثم سجد السجدة الثانية نظر ان كان الى

حال السجود اقرب منه الیٰ حال القعود لایجزیه ذالك الرفع ولا ذالك السجود الثانی وذکر فی الملتقط انه یجزیه ...... وفی الکافی وقیل اذا زایلت جبهته الارض بحیث تجری الریح بین جبهتهٖ وبین الارض ثم اعاد ها جاز عن السجدتین)) (کبیری ص ۳۱۴)

''اگر اس نے پہلے سجدہ سے اپنا سر زمین سے تھوڑا سا اٹھایا اور سیدھا ہو کر نہ بیٹھا (بلکہ) دوسرا سجدہ کر دیا۔ تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ بیٹھنے کی نسبت حالتِ سجدہ کے زیادہ قریب ہے تو یہ سر اٹھانا اسے کافی نہیں ہوگا اور نہ دوسرا سجدہ۔ اور (سیّد امام ابوشجاع نے) ''ملتقط'' میں کہا کہ یہ سر اٹھانا اسے کافی ہوگا۔ اور حاکم شہید (حنفی امام) نے ''کافی'' میں کہا کہ ایک قول میں اگر اسکی پیشانی زمین سے اتنی جدا ہوگئی کہ اسکی پیشانی اور زمین کے درمیان سے ہوا گزر سکے تو اس نے دوسرا سجدہ کر دیا' تو اسکے دونوں سجدے صحیح اور جائز ہیں۔''

اختلاف نمبر ۲۰۸

ہاتھ اور گھٹنے زمین پر رکھنا

صاحب ہدایہ امام مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

((ووضع الیدین والرکبتین سنة عندنا لتحقق السجود دونهما)) (هدایه باب صفة الصلوٰة)

''اور ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنا ہمارے (ائمہ احناف کے) نزدیک سنت ہے (یعنی واجب یا فرض نہیں ہے) کیونکہ انکو زمین پر رکھے بغیر سجدہ کیا جا سکتا ہے۔''

ذرا اس ہیئتِ کذائی کو چشمِ تصور میں لایئے جب کوئی نمازی ہاتھ اور گھٹنے ٹیکے

بغیر سجدہ کر رہا ہو۔ پتا نہیں حنفی احباب ایسا کس طرح کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ذاتی تجربے کے بغیر ایسا فتویٰ دینا ناممکن ہے۔ اور نماز جیسی عبادت میں آخر ایسی شکل (Pose) بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے جس میں آدمی نمازی کی بجائے مقتول نظر آئے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بعض اَئمہ احناف نے اس ''عندنا'' کو تسلیم نہیں کیا۔ سید امیر علی حنفی لکھتے ہیں:

☆ ''لیکن وارد ہوتا ہے کہ ہیئاتِ سجدہ فطری خلقت پر مع ہاتھ و گھٹنوں کے ہے اور سَر ٹیکنے کا امکان برخلاف وضع فطری بدون انکے ممکن ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے وعلیٰ ہذا لازم ہے کہ حدیث اسکی تفسیر ہو جائے تو ہاتھ و گھٹنے رکھنا بھی واجب ہوگا۔ ہاں فرض اس وجہ سے نہ ہوگا کہ مظنون ہے۔ م۔ ابن الہمام نے کہا کہ واجب کیونکر نہ ہو حالانکہ ظاہر حدیث اور مواظبت حضرت ﷺ اس پر ہے اور اسی کو فقیہ ابو اللیث نے اختیار کیا ہے۔'' (عین الہدایہ ج ا ص ۳۷۷)

خود احناف کے قلم سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صاحبِ ہدایہ اور انکے ''عندنا'' والے اَئمہ احناف کو رسول اللہ ﷺ کے اس دوامی عمل کا بھی علم نہیں ہوسکا۔

اختلاف نمبر ۲۰۹

تشہّد

صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں:

((ویتشھد وھو واجب عندنا)) (ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)

''اور تشہد پڑھے۔ یہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔ (یعنی دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا)''

صاحب عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''اور اگر بعض تشہد پڑھے اور بعض (حصہ) چھوڑ دے تو ظاھر الروایۃ میں جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جواز بقول ابو یوسف ہے اور عدمِ جواز بقول محمدؒ

ہے اسکو مرغینانی نے ذکر کیا ہے۔ کذا فی العینی۔" (عین الہدایہ ج ۱ ص ۳۹۷)

یعنی مکمل تشہد کے وجوب میں ائمہ احناف کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔اسی لیے اگر تشہد کا کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے تو ظاہر الروایۃ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے

اختلاف نمبر ۲۱۰

قعدہ اولیٰ میں تشہد پر زیادتی

((ان زاد علی قدر التشهد قال المشائخ ان قال اللهم صلّ علی محمد ساهياً يجب عليه سجدتا السهو وعن ابی حنيفة فيما رواه عنه ان زاد حرفاً واحداً فعليه سجدتا السهو ......وفی الخلاصة والمختارا نه يلزمه السهو ان قال اللهم صل علیٰ محمد ......والصحيح ان قدر زيادة الحرف ونحوه غير معتبر فی جنس مايجب به سجود السهو))

(کبیری ص ۳۲۱)

"اگر نمازی نے تشہد سے کچھ زیادہ پڑھا (یعنی عبدہٗ ورسولہٗ سے آگے پڑھا) تو مشائخ کہتے ہیں اگر اس نے بھول کر اللھم صل علیٰ محمد تک پڑھ دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔اور صاحبین نے ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر اس نے تشہد سے ایک حرف بھی زیادہ پڑھ دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔اور "خلاصہ" میں ہے کہ مختار مذہب یہ ہے کہ اگر اس نے اللھم صل علیٰ محمد تک پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔اور (حلبی کہتے ہیں) صحیح یہ ہے کہ ایک حرف اور اسکی مثل زیادتی ایسی چیز نہیں ہے جس سے سجدہ سہو واجب ہو۔"

صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''پھر کس قدر بڑھانے سے سجدہ سہو واجب ہوگا تو اختلاف ہے۔ درمختار میں کہا کہ مذہب مفتیٰ بہ پر فقط اللھم صل علیٰ محمد ہے۔ اور شامی نے لکھا کہ حلبی نے کہا کہ اکثر کے نزدیک اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کہے تب سجدہ ہوگا ورنہ نہیں اور یہی اصح ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک جب تاخیر بقدر ادائے رکن ہو اور یہ مذہب امام اعظم پر ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جب تک پورا درود حمید مجید تک نہ ہو سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔''

(ج ا ص ۳۹۵)

اسقدر اختلاف اور تضاد کے ہوتے ہوئے اتحادی مجلس کا دعویٰ کرنا اور اس مجموعۂ اقوال کی تقلید کو امام ابوحنیفہ کی ''تقلیدِ شخصی'' قرار دینا اگر تعصب اور ہٹ دھرمی نہیں تو بے خبری اور بے علمی ضرور ہے۔

اختلاف نمبر ۲۱۱

قعدہ اخیرہ میں تشہد بھول جانا

((نسی التشهد فی آخر الصلوٰۃ فسلّم ثم تذکر فاشتغل بقراءة التشهد فلما قرء البعض سلّم قبل اتمام التشهد فسدت صلوٰته فی قول ابی یوسف ......وقال محمد لا تفسد))

(کبیری ص ۴۴۵)

''اگر نماز کے آخر میں تشہد پڑھنا بھول گیا اور سلام پھیر دیا۔ پھر اسے یاد آیا تو وہ تشہد پڑھنے لگ گیا۔ جب کچھ حصہ تشہد کا پڑھ لیا تو باقی چھوڑ کر سلام پھیر دیا۔ تو امام ابو یوسف نے کہا کہ اسکی نماز فاسد ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ فاسد نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر۲۱۲

تشہّد میں اشارہ بالسبابہ

☆ سید امیر علی حنفی مختلف کتابوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بہتیرے مشائخ نے کہا کہ اشارہ کچھ نہ کرے (یعنی بالکل نہ کرے۔مؤلف)۔لیکن یہ قول خلاف روایت ودرایت ہے۔الفتح۔لیکن ذخیرہ میں ہے کہ ظاھر الروایۃ یہی ہے اورمنیہ وواقعات میں اسی پر فتویٰ ہے۔ع۔اور درمختار میں اسی کو عامہ فتاویٰ کی طرف نسبت کر کے کہا کہ لیکن معتمد وہ ہے جس کو شارحین نے صحیح کہا۔خصوصی متاخرین مثل شیخ ابن الہمام و حلبی الخ۔اور (فتاوی عالمگیرہ) ہندیہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ اشارہ کرے۔ الخلاصہ۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔المضمرات عن الکبریٰ۔'' (عین الہدایہ ج۱ص۳۹۱)

یعنی اشارہ کرنے پر بھی فتویٰ ہے اور نہ کرنے پر بھی فتویٰ ہے۔البتہ منع کرنے والے ''بہتیرے مشائخ'' ہیں۔اور ظاھر الروایۃ بھی یہی ہے۔

اختلاف نمبر۲۱۳

امام پر سلام

((فان کان بحذ ائہٖ نواہ فی الاُولیٰ عند ابی یوسف ترجیحاً لجانب الایمن وعند محمد وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ نواہ فیھما)) (ھدایہ باب صفۃ الصلوٰۃ)

''اور اگر امام مقابل مقتدی ہو (یعنی مقتدی امام کی پشت کے سامنے ہو) تو مقتدی امام کو پہلے سلام میں نیت کرے بوجہ ترجیح دائیں جانب کے۔یہ ابو یوسف کا قول ہے۔اور امام محمد کے نزدیک اور ابو حنیفہ کی ایک روایت کے

مطابق مقتدی امام کو دونوں سلام میں نیت کرے۔"

اختلاف نمبر۲۱۴

صلوٰۃ المریض

((ثم المریض یقعد فی الصلوٰۃ من اولھا الیٰ آخرھا کما یقعد فی التشھد ان استطاع ذکر السر وجی ان ھذا قول زفر ونقل عن ابی اللیث انہ علیہ الفتویٰ ......وقال قاضی خان یقعد کیف شاء فی روایۃ محمد عن ابی حنیفۃ))

(کبیری ص ۲۶۴)

"پھر مریض (جو قیام وغیرہ سے عاجز ہے) نماز بیٹھ کر پڑھ لے وہ شروع سے لیکر آخر تک اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔سروجی نے بیان کیا کہ یہ امام زفر کا قول ہے۔اور ابو اللیث سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔اور قاضی خاں نے کہا کہ جس طرح اسکی مرضی ہو اسی طرح بیٹھے۔یہ امام محمد کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے۔"

یہاں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کو ترک کرتے ہوئے امام زفر کی "تقلید شخصی" کو پسند کیا گیا ہے۔صرف یہی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ صاحبین کا مذہب بھی ٹھکرا دیا گیا ہے۔کیونکہ ابو یوسف کے مذہب میں احتباء (گوٹھ مارنا) اور تربع کی کیفیت تجویز کی گئی ہے اور امام محمد نے صرف تربع یعنی (چوکڑی) مارنا تجویز کیا ہے۔

اختلاف نمبر۲۱۵

صرف قیام پر قادر ہونا

((ان قدر المریض علی القیام دون الرکوع والسجود لم یلزمہ القیام عند نا بل یجوز ان یؤمی قا عداً وھو افضل

خلا فاً لزفر و الثلٰثة فا ن عندهم يلزمه ان يؤمی قا ئما))

(عمدة االرعایه ص۲۲۷)

"اگر مریض رکوع وسجود پر قادر نہ ہو بلکہ صرف قیام پر قادر ہوتو اسکو قیام کرنا لازم نہیں ہے ہمارے نزدیک۔ بلکہ اس کیلیے جائز ہے کہ وہ بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔اور یہ افضل ہے۔امام زفر اور ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ شافعیؒ اور ابن حنبلؒ) کے خلاف۔ان کے نزدیک اسکو لازم ہے کہ کھڑا ہوکر اشارے سے نماز پڑھے۔"

دیکھ لیجیے ! امام زفر کو ایک مرتبہ پھر "عندنا" سے خارج کر دیا گیا ہے۔کبھی تو انہیں اپنا مقتدا بنالیا جاتا ہے اور کبھی انہیں اپنے حلقے سے بھی باہر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال "عندنا" کے اشارے سے امام زفر کو الگ کرنے کے باوجود انہیں اپنا امام تسلیم کیے بغیر احناف کو چارہ نہیں ہے۔کیونکہ احناف کے بقول یہ بھی اس اتحادی مجلس کے شرکاء میں سے ہیں جن کے مشورے سے تمام فقہی مسائل طے کیے جاتے تھے۔

اختلاف نمبر ۲۱۷

مؤمی (اشارے سے پڑھنے والا) نماز میں صحیح ہوگیا

((مؤمی صحّ فی الصلوٰة استأنف ای ابتدأ))

(شرح وقایه ص۲۲۷)

"اشارے سے نماز پڑھنے والا اگر دورانِ نماز تندرست ہوجائے تو وہ نئے سِرے سے نماز شروع کرے۔"

((هذا علیٰ قول آئمتنا الثلا ثة وفيه خلا فاً لزفر))

(عمدة الرعایه فی حل شرح وقایه ص ۲۲۷)

"یہ ہمارے تین اماموں کے نزدیک ہے۔اور اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔"

اختلاف نمبر۲۱۸

قاعد (بیٹھ کر پڑھنے والا) نماز میں صحیح ہوگیا

((ومن صلی قاعداً یرکع ویسجد لمرض ثم صحّ بنیٰ علی صلوٰتہٖ قائماً عند ابی حنیفۃ وابی یوسف وقال محمد استقبل بناء علیٰ اختلا فھم فی الأقتداء))

(ھدایہ باب صلوٰۃ المریض)(شرح وقایہ وعمدۃ الرعایہ ص۲۲۷)

''اور جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجود کر رہا ہو' وہ دورانِ نماز تندرست ہوجائے تو وہ بقیہ نماز کھڑے ہوکر پڑھے ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک۔اور امام محمد نے کہا کہ وہ ازسرِ نو ابتداء سے نماز شروع کرے مسئلہ اقتداء میں اختلاف کی بنا پر۔''

اختلاف نمبر۲۱۹

مریض کہاں جائے

''اگر مریض گھر میں قیام کرسکتا ہے اور باہر مسجد جانے پر وہاں قیام نہیں کرسکتا تو اصح یہ کہ مسجد جاوے۔الخلاصہ۔واسی پر فتویٰ ہے۔العینی۔اسکے خلاف ہندیہ میں ہے کہ مختار یہ کہ گھر میں کھڑا ہوکر پڑھے اور اسی پر فتویٰ دیا جاوے۔المضمرات۔''(عین الھدایہ ص۵۹۸)

بتایئے! مریض بیچارہ جو مقلد بھی ہو'جائے تو جائے کہاں؟۔ع

اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے۔

اختلاف نمبر۲۲۰

نمازوں کی معافی

جو مریض سر کے اشارے سے بھی نماز نہ پڑھ سکے' اسکے بارے میں صاحبِ ہدایہ

کہتے ہیں:

((وقوله اُخرت عنه اشارة الىٰ انه لا تسقط الصلوٰة عنه وان كان العجز اكثر من يوم وليلة اذا كان مفيقا هو الصحيح))

(هدايه باب صلوٰة المريض)

''اور امام قدوری کا یہ قول کہ (اخرت عنه) (یعنی اس سے نماز مؤخر کی جائیگی) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مریض سے نماز ساقط نہیں ہوگی۔ اگرچہ عاجزی ایک دن ورات سے زائد رہی ہو۔ بشرطیکہ وہ شخص ہوش وحواس میں رہا ہو۔ یہی فتویٰ صحیح ہے۔''

یوں نہ سمجھیے کہ یہ مسئلہ احناف میں متفق علیہا ہے۔ بلکہ اس میں بھی حسبِ دستور اختلاف ہے۔ صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں:

○ ''اسی (درج بالا مذہب) کو امام کرخی نے اپنے مختصر میں ذکر فرمایا ہے۔ یہی بعض مشائخ کا قول ہے حتیٰ کہ اگر تندرست ہوکر وقت پایا تو اسپر قضاء لازم ہے اور قضاء نہ کی تو وصیت پر اسکے وارث لوگ فدیہ دیں۔ برخلاف مختار شیخ الاسلام خواہر زادہ وفخر الاسلام بزدوی وقاضیخاں وغیرہ کے کہ ان کے نزدیک اگر ایک رات دن کی ہوں تو قضاء لازم ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو قضاء واجب نہیں ہے۔ اور کہا کہ یہی صحیح ہے۔ الینابیع۔ اور فتاویٰ الظہیر یہ میں کہا کہ یہی ظاھر الروایۃ اور اسی پر فتویٰ ہے۔'' عین الہدایہ ص ۶۰۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ جس مذہب کی تصحیح صاحب ہدایہ نے کی ہے وہ غیر صحیح، غیر ظاہر الروایۃ اور غیر مفتیٰ بہ ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں ہے جیسا کہ احناف نے اپنا بھانڈا خود بیچ چوراہے کے پھوڑ دیا ہے۔

مرجوح قول پر فتویٰ

سید امیر علی حنفی لکھتے ہیں:

''اس توضیح سے ظاہر ہوا کہ جس قول کی امام مصنف (صاحبِ ہدایہ) نے تصحیح

فرمائی ہے وہی اصح وارجح ہے لیکن فتاویٰ الظہیر یہ سے ثبوت ہوا کہ مشائخ نے فتویٰ قول مرجوح پر دیا کہ دن رات تک تو قضاء لازم بشرطیکہ تندرستی کے بعد وقت کافی پاوے۔پھر اگر قضاء نہ کرے تو فدیہ کی وصیت لازم ہے۔اور دن رات سے زائد وہ عاجز رہا تو قضاء واجب نہیں ہے۔یہ قول آسان ہے اور ہم کو تقلید کے واسطے یہی لے لینا کافی ہے۔''(عین الہدایہ ص۶۰۳)

یہ ہے تقلید اور اس کا ثمرہ! کہ مشائخ نے چونکہ مرجوح قول پر فتویٰ دے دیا ہے اور پھر یہ آسان بھی ہے لہٰذا جانتے بوجھتے ہوئے ''اصح وارجح'' قول کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

نوٹ: ائمہ احناف کے اس اختلافی مسئلہ صرف یہی دو مذہب نہیں ہیں۔بلکہ ایک تیسرا مذہب بھی موجود ہے۔امام حلبی حنفی فرماتے ہیں:

((وفی روایة سقطت الصلوٰة عنه بالكلية وان كان يعقل))

(کبیری ص۳۶۰)

''یعنی جو مریض کسی بھی حالت میں سَر کے اشارے سے بھی نماز نہیں پڑھ سکتا اس سے کلی طور پر نماز ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ ہوش وحواس میں بھی رہا ہو۔''

لیجیے جناب! یہاں ایک دن رات یا اس سے کم وبیش کا جھگڑا ہی نہیں ہے اب خوش؟۔

اور کیجیے تقلید اور مزید چڑھایئے فقہ حنفی کو تقدس کے آسمان پر!

اختلاف نمبر۲۲۱

کن اعضاء سے اشارہ کرنا جائز ہے

((ولا يؤمی بعينيه ولابقلبه ولابحا جبيه هذا هو ظاهرا لرواية وعن ابی يوسفؒ انه يؤمی بعينيه وبحاجبيه لابقلبه

وقال محمد لا اشك ان الایماء بالراس یجوز ولا اشك ان الایماء بالقلب لایجوزوا شك فی العینین وعن زفر یؤمی بعینیه وبحاجبیه وبقلبه))

(کبیری ص ۲۶۰ والتوضیح الضروری ص ۱۳۱ وہدایہ باب صلوٰۃ المریض)

''اور نہ اشارہ کرے آنکھوں سے اور نہ دل سے اور نہ ابروؤں سے۔ اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ آنکھوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا جائز ہے' دل سے اشارہ کرنا جائز نہیں ہے۔اور امام محمد نے کہا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سَر سے اشارہ کرنا جائز ہے۔اور اس مین بھی کوئی شک نہیں کہ دل سے اشارہ کرنا ناجائز ہے۔اور آنکھوں کے بارے میں شک ہے (کہ ان سے اشارہ کرنا جائز ہے یا ناجائز) اور امام زفر سے مروی ہے کہ آنکھوں' ابروؤں اور دل سب سے اشارہ کرنا جائز ہے۔''

احناف کے بقول تدوینِ فقہ کی غرض سے جو مجلس امام ابوحنیفہؒ نے قائم فرمائی تھی اور جس کی کرسی صدارت بھی انہی کے پاس تھی' اسکی ایک ادنیٰ سی جھلک بھی آخر موجودہ فقہ حنفی میں کیوں نظر نہیں آرہی ؟۔

اور پھر جو جامع الکل قسم کا رجسٹر انہوں نے خود اپنی نگرانی میں تیار کروایا تھا' وہ کہاں گیا۔اسے زمیں کھا گئی یا آسمان ؟۔

نہایت تعجب ہے اُن مدعیانِ علم وعقل پر ! جو تقلید بھی کرتے ہیں تو ایک ایسی چیز کی جسکی سرے سے کوئی اصل اور بنیاد بھی نہیں ہے۔اور جو اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار کا عین مصداق نظر آتی ہے۔ اللهم ارزقهم اتباع الحق۔

اختلاف نمبر ۲۲۲

دورانِ بیہوشی کی نمازیں

((ومن اغمی علیه خمس صلوات او دونها قضی وان كان

اکثر من ذالك لم يقض......و الكثير ان تزيد على يوم وليلة لانه يدخل فی حدالتكرار ......ثم الزيادة تعتبر من حيث الاوقات عند محمد لان التكرار يتحقق به وعند هما من الساعات))

(ہدایہ باب صلوٰۃ المریض وکبیری ص ۲۶۰ وشرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ص ۲۲۸)

''اور جس شخص پر بیہوشی طاری ہوئی پانچ نمازوں تک یا کم تو وہ ان نمازوں کو قضاء کرے۔اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہووئی تو اس پر قضاء نہیں ہے۔اور زیادتی کی مقدار یہ ہے کہ ایک دن رات سے قضائیں بڑھ جائیں۔کیونکہ وہ حد تکرار (یعنی مکرر دورہ) میں داخل ہو جائیں گی۔ پھر زیادتی کا اعتبار امام محمد کے نزدیک اوقات کے شمار سے ہے کیونکہ تکرار اسی کے ساتھ متحقق ہوگی۔اور شیخین کے نزدیک ساعات سے شمار ہے۔''

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام محمد کے قول کے مطابق مثلاً اگر ظہر کے اول سے بے ہوشی طاری ہوئی تو دوسرے دن ظہر کا تمام وقت نکلنے کے بعد زیادتی یعنی حد کثرت واقع ہو جائیگی۔یعنی اس شخص پر دوسرے دن کی ظہر کی نماز کا وقت نکلنے تک کثرت واقع نہیں ہوئی اگر اس دوران اسے ہوش آ گیا تو اس کے ذمے فوت شدہ نمازوں کی قضاء لازم ہے۔اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق اگر ظہر کے اول سے بے ہوشی طاری ہوئی تو دوسرے روز طلوع آفتاب کے بعد زیادتی یعنی کثرت واقع ہو گی۔یعنی طلوعِ آفتاب کے بعد اگر اس شخص کو ہوش آ بھی جائے تو اسکے ذمے فوت شدہ نمازوں کی قضاء نہیں ہے۔کیونکہ وہ حدِ کثرت میں داخل ہو چکا ہے۔اور امام محمد کے نزدیک تو ظہر کا وقت نکلنے کے بعد حد کثرت میں داخل ہوتا ہے۔

نوٹ: اس مسئلہ میں امام محمد کے مذہب کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (کبیری ص ۲۶۲)

اختلاف نمبر ۲۲۳

دورانِ نماز وضوء ٹوٹ جانا

((مُصلٍّ سبقه الحد ث توضأ و اتم خلافاً للشافعیؒ ولو بعد التشهد خلافاً لهما فانه اذا قعد قدر التشهد تمت صلوٰتهٗ وعند ابی حنیفة لم یتم لأن الخروج بصُنعهٖ فرض عنده))

(شرح وقایه ص ۱۸۳ و کبیری ص ۲۸۶)

"ایک نمازی کو نماز میں حدث ہو گیا یعنی اسکا وضوء ٹوٹ گیا تو وہ وضوء کر کے بقیہ نماز پوری کرے۔ امام شافعی کے خلاف۔ خواہ تشہد کے بعد بھی وضوء ٹوٹے تو یہی حکم ہے صاحبین کے خلاف۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک اگر تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو تو اسکی نماز پوری ہو گئی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ انکے نزدیک اپنی مرضی کے کام سے نماز سے باہر آنا فرض ہے۔"

(اور وہ فرض ابھی باقی ہے کیونکہ اس نے اپنی مرضی سے وضوء نہیں توڑا بلکہ بے اختیاری میں ٹوٹ گیا)

ہاں! اگر تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد وہ اپنی مرضی سے وضوء توڑ دے مثلاً ہوا خارج کر دے یا قہقہہ مار دے تو اسکی نماز مکمل ہے۔ دوبارہ وضوء کرنے اور بقیہ نماز پوری کرنے کا "تکلف" نہ کرے۔ (ہدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ و کبیری ص ۲۸۶)

اختلاف نمبر ۲۲۴

امام کا وضوء ٹوٹ گیا

((ومن امَّ واحداً فاحد ث وخرج من المسجد فالما موم امام نویٰ اولم ینو......ویتم الاول صلوٰتهٗ مقتدیاً بالثانی کما

اذا استخلفه حقيقة ولو لم يكن خلفهٗ الاصبیٌ او امراة قيل تفسد صلوٰتهٗ ......وقيل لا تفسد))

(ھدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ وکبیری ص۴۲۹و شرح وقایہ ص۱۸۹)

''اور جس مرد نے امامت کی کسی ایک مرد کی پھر امام کا وضوء ٹوٹ گیا اور وہ مسجد سے نکل گیا تو مقتدی مرد امام ہے۔خواہ امام اول نے اسکی خلافت کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔اور پوری کرے پہلا امام اپنی نماز دوسرے کی اقتداء کرکے۔جیسا کہ جب اسکو حقیقت میں نائب بناتا تو اسکی اقتداء کرکے نماز پوری کرتا۔اور اگر امام محدث (جس کا وضوء ٹوٹا) کے پیچھے سوائے بچے یا عورت کے کوئی نہ ہو تو کہا گیا ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو جائیگی۔اور بعض مشائخ نے کہا کہ اسکی نماز فاسد نہ ہوگی۔''

اختلاف نمبر۲۲۵

تشہد کے بعد امام نے عمداً وضوء توڑ دیا

((فان لم يحدث الامام الاول وقعد قدر التشهد ثم قهقهه او احدث متعمداً فسدت صلوٰة الذ ى لم يدرك اول صلاتهٖ عند ابى حنيفة ؒ وقالا لا تفسدوان تكلم او خرج من المسجد لم تفسد فى قولهم جميعاً))

(ھدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ)

''اگر یہ صورت ہو کہ امام اول کو حدث نہیں ہوا (بلکہ اس نے نماز پڑھائی سب رکعات) اور قعدہ اخیرہ بقدر تشہد کے بیٹھ لیا۔پھر اس نے قہقہہ مار دیا یا عمداً حدث کر دیا۔تو فاسد ہو جائیگی نماز ایسے مقتدی کی جو مدرک نہیں ہے (یعنی جس نے امام کی اول نماز نہیں پائی تو وہ مسبوق ہوگا یا لاحق۔اور امام ومدرک مقتدی حضرات کی نماز فاسد نہیں ہوگی)امام ابو حنیفہ ؒ کے

نزدیک۔اور صاحبین نے کہا کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور اگر امام نے کلام کر دیا یا اٹھ کر مسجد سے نکل گیا (اور سلام نہ پھیرا) تو کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی سب کے نزدیک۔''

یعنی مذکورہ بالا اختلاف صرف قہقہہ اور حدث عمد کے بارے میں ہے۔انکے علاوہ ہر مخالفِ نماز کام کے بارے میں کھلی اجازت ہے۔

اختلاف نمبر ۲۲۶

سجدہ سہو کے لیے ایک سلام یا دو سلام

صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''اور شیخ الاسلام خواہر زادہ وفخر الاسلام نے کہا کہ ایک ہی سلام پھیرے اور اسی طرف اصل میں اشارہ کیا ہے۔حتیٰ کہ شیخ الاسلام نے کہا کہ اگر دو سلام پھیر دیے تو اسکے بعد سجدہ سہو نہیں کر سکتا۔محیط میں کہا کہ یہی صواب ہے۔کافی میں کہا کہ یہی صواب ہے۔لیکن شمس الائمہ وصدر الاسلام (فخر الاسلام کے بھائی) نے دو سلام اختیار کیے۔اور فقیہ ابو اللیث (معروف بامام الہدیٰ) نے کہا کہ ایک سلام کہنے والا بدعتی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک دو سلام لاوے۔''(عین الہدایہ ص۵۸۴۔۵۸۵)(کبیری ص۴۴۴)

☆ یعنی امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ امام الہدیٰ ابو اللیث ٗصدر الاسلام اور شمس الائمہ کے مذہب میں سجدہ سہو کرنے سے پہلے دونوں طرف سلام پھیرنا ہوگا۔اور امام حلبی اور علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ صاحبِ ہدایہ نے بھی اسی مذہب کو صحیح کہا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

((وقال صا حب الهداية هو الصحيح ...... وكذا صحح كون السلام من الجانبين فى الظهيرية والمفيد والينابيع))

(کبیری ص ۴۴۴ و عمدۃ ص ۲۲۰)

''یعنی صاحبِ ہدایہ نے کہا کہ یہی (دوسلام والا) مذہب صحیح ہے۔اور اسی طرح دونوں طرف کے سلام کو فتاویٰ ظھیریه، المفید اور الینابیع میں صحیح کہا گیا ہے۔''

مگر احناف مقلدین نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی تقلید نہیں کی اور اپنی ''کالقرآن'' کتاب (ہدایہ) کی تصحیح کو بھی ٹھکرادیا ہے۔بالعموم ان کا طریقہ یہی ہے کہ سجدہ سہو کرنے سے پہلے امام ومقتدی حضرات صرف دائیں جانب سلام پھیرتے ہیں۔حالانکہ ان کے امام الہدیٰ (ابو اللیث) نے ایک سلام پھیرنے والے کو بدعتی کہا ہے۔

اختلاف نمبر ۲۲۷

امام نے بھول کر سجدہ سہو کیا

صاحبِ عین الہدایہ لکھتے ہیں:

''اگر امام نے سہو کا گمان کر کے سجدہ سہو کیا پھر جانا کہ نہ تھا اور مسبوق نے متابعت کی تھی تو اشھر الروایۃ میں اسکی نماز فاسد اور ابواللیث نے کہا کہ ہمارے زمانہ میں فاسد نہیں ہے۔الظیر یہ۔''(عین الہدایہ ص ۴۶۹)

یعنی فقہ حنفی کے مسائل حتمی نہیں ہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

اختلاف نمبر ۲۲۸

تیسری رکعت میں سورت ملانا

((فان ضمَّ السورة ساهياً يجب عليه سجدتا السهو في قول ابى يوسف وفى اظهر الروايات لا يجب عليه سجودا

لسھو)) (منیہ مع غنیہ ص ۳۲۲)

''اور جس نمازی نے بھول کر (تیسری رکعت میں) سورت ملائی اس پر سجدہ سہو واجب ہے ابو یوسف کے قول میں۔ اور اظہر الروایات میں ہے کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔''

اختلاف نمبر ۲۲۹

رکعات کے کم وبیش ہونے میں شک

((ومن شك فی صلوٰتہٖ فلم یدر آثلا ثاً صلیٰ ام اربعاً وذالك اول ما عرض له استأ نف الصلوٰة)) (قدوری ص ۳۰)

''اور جس کو شک ہوا اپنی نماز میں کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور اسکو یہ شک پہلی بار پیدا ہوا ہے تو وہ از سرِ نو نماز شروع کرے۔''

☆ ''پہلی بار'' سے کیا مراد ہے' اسکے بارے میں قدوری کے شارح مولانا اعزاز علی حنفی مدرس دار العلوم دیو بند فرماتے ہیں:

((ا ختلفوا فی معنی قولھم اول فقیل اول ما عرض له فی تلك الصلوٰة وقیل معناه ان السھو لم یکن عادة له لا انه لم یسهُ قط وقیل اول سھو وقع له فی عمره ولم یکن سھا فی صلوٰة قط بعد بلوغهٖ ۱۲من الزیلعی))

(التوضیح الضروری ص ۳۰ و ذکر الحلبی فی کبیری ص ۴۴۱)

''ائمہ ومشائخ نے لفظ ''اوّل'' کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ جو نماز پڑھ رہا ہے اسی نماز میں پہلی مرتبہ ایسا شک پیدا ہوا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بھول جانا اس کی عادت نہ ہو' نہ یہ کہ وہ کبھی بھولا ہی نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی بلوغت کی بعد والی زندگی میں وہ پہلی بار بُھولا ہے۔''

اب آپ ہی بتائیے ! کہ مقلد اپنی بھول کی وجہ سے بری طرح پھنسا ہے یا نہیں ؟۔ یہ بیچارہ خود تو ''اول'' کا معنیٰ متعین کرنے سے رہا۔ کیونکہ یہ تو اپنی ذات کی کلیۃ نفی کر کے ''تقلید شخصی'' کا پابند ہو چکا ہے۔ جسے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر اپنی مرضی سے کوئی معنی متعین کر لے تو تقلید کا ''تقدس'' مجروح ہونے کا شدید خطرہ ہے۔ لہٰذا جب تک ائمہ ومشائخ اسکے معنی ومفہوم پر متفق نہیں ہو جاتے جو کہ خارج از امکان ہے' اسکی نماز مکمل نہیں ہو سکتی۔ موقع کے حسبِ حال کیا ہی خوب کہا گیا ہے۔

وہ کہ جو اپنی ہی منزل سے نہیں ہیں واقف
منزلِ ملتِ آشفتہ کے نگراں ہونگے

اختلاف نمبر ۲۳۰

قعدہ اخیرہ بھول کر کھڑا ہو جانا

((وان قید الخامسة بسجدة بطل فرضه ......وتحولت صلوٰته نفلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف خلافاً لمحمد))

(ھدایہ باب سجود السھو کبیری ص ۲۸۴ و ص ۴۳۵)

''اور اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اس کے فرض باطل ہو گئے اور اس کی نماز بدل کر نفل ہو گئی (اور اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے) یہ مذہب امام ابو حنیفہ وابو یوسف کا ہے۔ امام محمد کے خلاف۔

(انکے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائیگی کیونکہ انکے اصول کے مطابق بطلانِ وصف سے اصل تحریمہ باطل ہو جاتا ہے)۔

مذکورہ بالا اختلاف کے ضمن میں ایک اور اختلاف ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ فرض کا بطلان کس وقت واقع ہوگا۔ اس بارے میں درج ذیل اختلاف پیشِ خدمت ہے۔

اختلاف نمبر ۲۳۱

بطلانِ فرض کی صورت

((ثم انما یبطل فرضه بوضع الجبهة عند ابی یوسف وعند محمد برفعهٖ ......وثمرة الاختلاف تظهر فیما اذا سبقه الحدث فی السجود بنیٰ عند محمدؒ خلا فاً لابی یوسف))

(هدایه ایضاً و کبیری ص ۴۳۵و ۴۳۶)

''پھر واضح ہو کہ فرض باطل ہوجانے کا حکم ابو یوسفؒ کے نزدیک تو اسی وقت دے دیا جائے گا جب نمازی نے پانچویں رکعت کے سجدہ کیلیے سر رکھا۔اور امام محمد کے نزدیک فرض باطل ہوجانے کا حکم اس وقت دیا جائیگا جب نمازی نے سر سجدے میں رکھنے کے بعد اٹھایا۔اور اس اختلاف کا نتیجہ ایسی صورت میں ظاہر ہوگا جب سجدے میں اسکو حدث ہوگیا۔تو ابو یوسف کے نزدیک تو اسکی نماز باطل ہوچکی ہے کیونکہ وہ پانچویں رکعت کے سجدہ میں سر ٹیک چکا ہے۔اور امام محمد کے نزدیک چونکہ ابھی سجدہ پورا نہیں ہوا لھذا وہ فرض پر بناء کرے۔یعنی جا کر وضوء کرے اور بیٹھ کر قعدہ میں تشہد پڑھے اور سلام کر کے سہو کا سجدہ کرے۔پھر تشہد کے بعد سلام پھیرے تو اس کا فرض پورا ہوگیا۔''

اختلاف نمبر ۲۳۲

قعدہ اخیرہ بیٹھنے کے بعد کھڑا ہوجانا

((وان قیّد الخا مسة بالسجدة ثم تذکر ضم الیها رکعة اخریٰ ......ولو اقتدیٰ به انسان فیهما یصلی ستاً عند محمد لأنه المؤدی بهذهِ التحریمة و عندهما رکعتین))

(هدایه باب سجود السهو)

”اور اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا پھر اسکو یاد آیا تو پانچویں رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملائے۔ (تو اسکے فرض مکمل ہوگئے اور باقی دو نفل ہیں) اور اگر اس نمازی کے ساتھ کسی نے اس دوگانہ نفل میں اسکی اقتداء کی تو امام محمد کے نزدیک مقتدی چھ رکعات پڑھے۔ کیونکہ یہی تعداد اس تحریمہ سے ادا کی گئی ہے۔ اور ابوحنیفہ وابویوسف کے نزدیک وہ مقتدی دورکعات پڑھے۔“

درج بالا اختلاف کے ضمن میں ایک اختلاف اور بھی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

اختلاف نمبر۲۳۳

اگر مقتدی نماز فاسد کردے

((ولوا فسده المقتد ی لا قضاء علیه عند محمد اعتباراً بالامام وعند ابی یوسف یقضی رکعتین))

(هدایه باب سجود السهو)

”اور اگر مقتدی نے نماز کو فاسد کردیا تو امام محمد کے نزدیک اس پر قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ امامِ مذکور پر ان نفلوں کی قضاء نہیں ہے۔ اور ابویوسف کے نزدیک وہ دوگانہ قضاء کرے۔“

اختلاف نمبر۲۳۴

پہلا قعدہ بھول جانا

((ومن سها عن القعدة الأولیٰ وهوا لیها اقرب عاد ولا سهو والا قام وسجد للسهو)) (شرح وقایه ص۲۲۱)

”اور جو شخص پہلا قعدہ بھول گیا اور وہ قعود کے زیادہ قریب ہے تو واپس بیٹھ جائے۔ اور اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہے تو کھڑا

ہو جائے اور (آخر میں) سجدہ سہو کرلے۔''

لیکن اگر شخصِ مذکور قیام کے زیادہ قریب ہونے کے باوجود لوٹ کے بیٹھ جائے تو اس بارے میں فقہ حنفی کا کیا حکم ہے' اس بارے میں علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

((وھل تفسد صلوٰتہٗ ان عاد فی ھذہ الصورۃ المشھور عند اصحابنا ھو الفساد ......ورجح ابن الھمام عدم الفساد))

(عمدۃ الرعایہ ص۲۲۱)

''یعنی اگر اقرب الیٰ القیام ہونے کے باوجود واپس قعدہ میں بیٹھ جائے تو کیا اسکی نماز فاسد ہو جائیگی' تو اس بارے میں ہمارے (احناف کے) اصحاب کے نزدیک مشہور فتویٰ' یہ ہے کہ اسکی نماز فاسد ہو جائیگی۔ اور امام ابن الہمام نے فاسد نہ ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔''

اسی طرح امام حلبی لکھتے ہیں:

((لو عاد بعد ما صار الی القیام اقرب قیل تفسد وقال ابو علی الجرجانی لا تفسد)) (کبیری ص ۴۳۲)

''یعنی قیام کے زیادہ قریب ہونے کے باوجود وہ کھڑا ہونے کی بجائے واپس بیٹھ گیا تو بعض نے کہا کہ اسکی نماز فاسد ہو جائیگی اور شیخ ابوعلی جرجانی نے کہا کہ فاسد نہیں ہوگی۔''

اختلاف نمبر ۲۳۵

اقرب الی القعود پر سجدہ سہو

اگر پہلا قعدہ بھول کر تیسری رکعت کے لیے اٹھنے والا شخص بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو بیٹھ جائے۔ لیکن کیا اس سہو کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں' تو اس بارے میں امام حلبی حنفی فرماتے ہیں؛

((فی وجوب سجود السھو علیہ حینئذٍ اختلاف بین المشا

ئخ قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل لا یجب وقال غیرهٗ یجب)) (کبیری ص ۴۳۲)

''اس شخص پر سجدہ سہو واجب ہونے میں مشائخ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔امام ابو بکر محمد بن فضل نے کہا کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔اور انکے علاوہ دیگر مشائخ نے کہا کہ اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔''

اختلاف نمبر ۲۳۶

جہر یا اخفاء کی وجہ سے سجدہ سہو

((ولو جھر الامام فیما یخافت او خافت فیما یجھر قدر ما تجوز به الصلوٰة یجب سجود السھو علیه ......وذکر فی النوادر انه ان جھر فیما یخافت فعلیه سجود السھو قل ذالك او کثر ...... وان خا فت آیة قصیرة یجب علیه سجود السھو عنده ای عند ابی حنیفة خلا فاً لهما)) (کبیری ص ۴۳۱)

''اگر امام نے سِرّی نماز میں جہر کیا یا جہری نماز میں سرّاً اتنی مقدار میں قرأت کی جس سے نماز جائز ہوجاتی ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔اور نوادر کی روایت میں ہے کہ سرّی نماز میں جہر سے تھوڑا پڑھے یا زیادہ اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔اور اگر امام نے جہری نماز میں ایک چھوٹی آیت کی مقدار بھی سِراً پڑھی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔اور صاحبین کے نزدیک واجب نہیں ہے۔''

یعنی اس مسئلے میں دو اختلاف ہیں

- ایک یہ کہ جہر یا اخفاء کرنے سے اس وقت نماز فاسد ہوگی جب اتنی مقدار پڑھی جائے جس سے نماز جائز ہوجاتی ہے۔نوادر کی روایت میں اسکے خلاف یہ کہا گیا ہے کہ مقدار چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں سجدہ سہو واجب

ہے۔

○ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر جہری نماز میں ایک چھوٹی آیت کی مقدار بھی آہستہ پڑھ دی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ سہو واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک اسقدر آہستہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

نوٹ: نوادر امام محمد کی وہ کتابیں ہیں جو بقولِ احناف ان سے قابلِ اطمینان طریقے سے مروی نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے نام یہ ہیں:

1. امالی محمد فی الفقہ اور یہ کیسانیات کے نام سے مشہور ہے۔
2. کتاب الزیادات
3. کتاب زیادۃ الزیادات
4. کتاب النوادر ابن رستم کی روایت سے۔

اختلاف نمبر ۲۳۷

قیام یا رکوع میں تشہد پڑھنا

((تشهّد قا ئماً او راكعاً او ساجداً لاسهو عليه كذا في المختار......وذكر الناطفي في الاجنا س عن محمدؒ لوتشهد في قيامهٖ قبل قراة الفاتحة فلاسهو عليه وبعدها يلزمهٗ ......وفي العيون والمحيط ولو تشهد في ركوعهٖ او سجودهٖ يلزمه السهو)) (کبیری ۴۳۳)

''اگر کسی نمازی نے قیام یا رکوع یا سجدہ میں تشہد پڑھ دیا تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے مختار مذہب میں۔ اور امام ناطفی نے ''اجناس'' میں امام محمد کا مذہب بیان کیا کہ اگر اس نے قیام میں فاتحہ پڑھنے سے قبل تشہد پڑھا تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے اور اگر فاتحہ کے بعد پڑھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ اور ''عیون'' و ''محیط'' میں ہے کہ اگر اس نے رکوع یا سجدے میں تشہد پڑھا تو

اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔"

اختلاف نمبر ۲۲۸

دورانِ نماز سوچ و بچار کرنا

((ثم الاصل فی حکم التفکر انه ان منعهٗ عن اداء رکن کقراءة آیة او ثلٰث او رکوع او سجودا و عن اداء واجب کا لقعود یلزمه السهو ......وقال بعض المشائخ وهو الامام الصفا ر ان منعه التفکر عن القراءة ا و عن التسبیح یجب علیه سجود السهو وان کان لا یمنعه با ن کان یقرء ویتفکر او یسبح و یتفکر لا یجب علیه سجود السهو فعلیٰ هذا القول لو شغله التفکر عن تسبیح الرکوع وهو راکع مثلاً یلزمه السجود و علی القول الاول لا یلزمه لأنه لم یمنعه عن ادا ء رکن ولا واجب)) (کبیری ص۴۳۷)

"دورانِ نماز سوچ و بچار کرنے کے حکم کی اصل یہ ہے کہ اگر سوچ و بچار نے نمازی کو کسی رکن یا واجب کی ادائیگی سے روک دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ اور بعض مشائخ (امام الصفار) نے کہا کہ اگر اسکی سوچ و بچار اسے قرأۃ یا تسبیح سے روک دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے اور اگر نہ روکے یعنی سوچ و بچار بھی کرتا رہے اور ساتھ ساتھ قرأۃ یا تسبیح بھی پڑھتا رہے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔ پس اس قول کے مطابق اگر سوچ و بچار نے اسکو مثلاً تسبیحاتِ رکوع سے روک دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور پہلے قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سوچ و بچار نے اسکو کسی رکن یا واجب کی ادائیگی سے نہیں روکا۔

اختلاف نمبر ۲۳۹

سجدہ سہو سے پہلے تشہد میں درود شریف

((ویأتی بالصلوٰۃ علی النبی ﷺ فی کلتا القعد تین قعدۃ الصلوٰۃ وقعدۃ السھو وھذا مختار الطحاوی ......وقال بعضھم فی المسئلۃ اختلاف بین الأئمۃ فعند ابی حنیفۃ وابی یوسفؒ یصلی فی قعدۃ الصلوٰۃوعند محمد فی قعدۃ السھو)) (کبیری ص ۴۴۵)

''اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھے دونوں قعدوں میں' نماز کے قعدہ میں بھی اور سہو کے قعدہ میں بھی۔ یہ امام طحاوی کا اختیار کردہ مذہب ہے۔اور بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔پس ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے مذہب میں نماز کے قعدہ میں درود پڑھے (یعنی سہو کے قعدہ میں نہ پڑھے) اور امام محمد کے مذہب میں سہو کے قعدہ میں پڑھے (اور نماز کے قعدہ میں نہ پڑھے)۔''

خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ میں ائمہ احناف کے تین مذہب ہیں۔امام طحاوی بھی ''اتحادی مجلس'' کے شریک بتائے جاتے ہیں اور صاحبین تو صفِ اول کے شرکاء میں سے ہونے چاہییں۔مگر بایں ہمہ ایک ایک مسئلے میں اس قدر تضاد اور تخالف ایک غیر جانب دار شخص کو کچھ اور سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔اور پھر یہ حوالہ بالخصوص ان مقلدین کے لیے ایک تازیانے سے کم نہیں ہے جو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا مذہب چھوڑ کر امام محمد کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں۔کیا اسی کا نام ''تقلیدِ شخصی'' ہے؟

اختلاف نمبر ۲۴۰

جس پر سجدہ سہو واجب ہو اس کے سلام کا حکم

((سلامُ من علیہ السھو یخرجہ عنھا موقوفاً حتیٰ یصح

الاقتداء به ویبطل وضوئه بالقهقهة و یصیر فرضه اربعاً بنية الاقامة ان سجد بعدهٗ والا فلا)) (شرح وقایہ ص ۲۲۴)

((هذا كلهٗ عند ابی حنيفة وابی يوسف وقال محمد هو داخل سجدا ولم يسجد لأن عندهٗ سلام من عليه السهو لايخرجه عن الصلوٰة اصلا))

(عمدۃ الرعایہ ص ۲۲۴)(بحر الرائق بحوالہ عمدۃ ص ۲۲۵)

''جس نمازی پر سجدہ سہو واجب ہے اس کا سجدہ سہو سے پہلے سلام پھیرنا اسے نماز سے خارج کر دیتا ہے موقوفاً۔ حتیٰ کہ اسکی اقتداء صحیح ہے اور قہقہہ سے اس کا وضوء باطل ہو جائیگا اور نیتِ اقامت سے اسکی فرض نماز چار رکعات میں بدل جائیگی بشرطیکہ اس نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا ورنہ نہیں۔

یہ سارے کا سارا ابوحنیفہ وابویوسف کا مذہب ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ سلام پھیرنے سے نماز سے مطلقاً خارج نہیں ہوگا خواہ سلام کے بعد سجدہ سہو کرے یا نہ کرے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسا نمازی جس کے ذمے سجدہ سہو ہے اگر نماز کے آخر میں سجدہ سہو سے پہلے سلام پھیرے تو اس کے نماز سے خارج ہونے کے بارے میں یہ دیکھا جائیگا کہ اگر اس نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا تو وہ نماز سے خارج نہیں ہوا۔ اور اگر سلام کے بعد اس نے سجدہ سہو نہ کیا بلکہ نماز ترک کر دی تو اس پر نماز سے خارج ہونے کا حکم جاری کیا جائیگا۔ مگر امام محمد کے نزدیک وہ شخص سلام کے بعد سجدہ سہو کرے یا نہ کرے اور نماز کو ترک کر دے' دونوں حالتوں میں

وہ اس سلام سے نماز سے خارج نہیں ہوگا بلکہ نماز میں داخل سمجھا جائیگا۔

اب اس اختلاف کا نتیجہ چند صورتوں میں ظاہر ہوگا۔ مثلاً:۔

○ جب اس نمازی نے جس پر سجدہ سہو واجب ہے' سلام پھیرا تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پھر اس سلام پھیرنے والے

نے اگر سجدہ سہو کیا تو اس کے پیچھے نماز شروع کرنے والے کی نماز اسکی اقتداء میں صحیح ہے۔اور اگر اس نے سجدہ سہو نہ کیا اور نماز ترک کر دی تو اسکی اقتداء صحیح نہیں ہے۔مگر امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں اسکی اقتداء صحیح ہے۔

- دوسری اختلافی صورت یہ ہے کہ اگر اس شخص نے سلام پھیرنے کے بعد قہقہہ مارا اور پھر سجدہ سہو کیا تو اسکا وضوء باطل ہو جائیگا۔اور اگر وہ قہقہہ کے بعد سجدہ سہو نہ کرے اور نماز ترک کر دے تو اسکا وضوء باطل نہیں ہوگا۔مگر امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں اسکا وضوء باطل ہو جائیگا۔
- تیسری اختلافی صورت یہ ہے کہ اگر شخصِ مذکور مسافر ہے اور اس نے سلام کے بعد اقامت کی نیت کر لی اور پھر سجدہ سہو کیا تو اسکو پوری یعنی چار رکعات نماز پڑھنی پڑے گی۔اور اگر نیت کرنے کے بعد اس نے سجدہ سہو نہ کیا اور نماز چھوڑ دی تو اسکی وہ نماز دو رکعت ہی رہے گی۔مگر امام محمد کے نزدیک دونوں صورتوں میں اسے پوری یعنی چار رکعات نماز پڑھنی پڑے گی۔

یہ ہے وہ ''فقہ'' جس کو شریعت کا ''عطر'' ثابت کرنے کے لیے زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں۔اور جسے پوری امتِ مسلمہ کے ایمان وعمل کا امین اور محافظ قرار دیا جاتا ہے۔میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کی فقہ مختلف اغراضِ نفسانی پر کوئی قدغن یا پابندی لگا سکتی ہے۔یا تن آسانی اور عیش کوشی کے بے تحاشہ سیلاب پر کوئی بند باندھنے کی اہل ہے۔

اختلاف نمبر ۲۴۱

بارہ مسائل

((وان رای المتیمم المآء فی صلوٰتہٖ بطلت صلوٰتہٗ وان راٰہ بعد ما قعد قدر التشھد او کان ماسحاً فا نقضت مدۃ مسحہٖ او خلع خفیہ بعملٍ قلیلٍ او کان اُمّیاً فتعلّم سورۃ او عریا ناً

فوجد ثوباً او مؤمیاً فقدر علی الرکوع والسجود او تذکر ان علیه صلوٰۃ قبل هذہٖ او احد ث الامام القارءی فاستخلف اُمّیاً ا و طلعت الشمس فی صلوٰۃ الفجر او دخل وقت العصر فی الجمعة او کان ما سحاً علی الجبیرۃ فسقطت عن بُرء او کانت مستحاضة فبرءت بطلت صلوٰتهم فی قول ابی حنیفة وقال ابویوسف و محمد تمت صلوٰتهم فی هذه المسا ئل))

(قدوری ص۲۷)(ہدایہ باب الحدث فی الصلوٰۃ)(شرح وقایہ ص۱۸۶)

''اگر تیمّم کے ساتھ نماز پڑھنے والے شخص نے دورانِ نماز پانی دیکھ لیا تو اسکی نماز باطل ہوجائیگی۔اور اگر اس نے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی دیکھا یا کوئی شخص موزوں پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور دورانِ نماز اسکے مسح کی مدت ختم ہوگئی یا کسی شخص نے دورانِ نماز عمل قلیل سے موزے اتارے یا اگر کوئی شخص اُمی تھا اور دورانِ نماز اس نے کوئی سورت سیکھ لی یا ننگا ہوکر نماز پڑھ رہا تھا اور دورانِ نماز اسے کپڑا میسر آ گیا یا کوئی شخص اشارے سے نماز پڑھ رہا تھااور دورانِ نماز وہ رکوع وسجود پر قادر ہوگیا یا کسی شخص کو دورانِ نماز یاد آ گیا کہ اس سے پہلے اسکی ایک نماز رہتی ہے یا قاری امام کونماز میں حدث ہوا اور اس نے ایک اُمی کو اپنا نائب بنادیا یا فجر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہوگیا یا جمعہ پڑھتے ہوئے عصر کا وقت شروع ہوگیایا کوئی شخص زخم وغیرہ کی پٹی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھااور دورانِ نماز زخم ٹھیک ہونے کی وجہ سے پٹی گر گئی یا عورت مستحاضہ تھی اور دورانِ نماز تندرست ہوگئی تو (ان تمام صورتوں میں)ان سب کی نماز باطل ہوگئی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اور

صاحبین نے کہا کہ ان سب کی نماز مکمل اور پوری ہوگئی۔(یعنی نماز میں کوئی خرابی یا فساد و بطلان وغیرہ واقع نہیں ہوگا۔)''

یہ بارہ مسائل ہیں جن کو اثناء عشرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ان بارہ کے بارہ مسائل میں صاحبین کا امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف ہے۔ان مسائل کو علیحدہ علیحدہ نمبر دے کر بھی لکھا جاسکتا تھا مگر مقصود چونکہ کتاب کا حجم بڑھانا نہیں بلکہ فقط اختلافات نقل کرنا ہے لہذا ان اختلافات کو ایک ہی نمبر کے تحت درج کر دیا گیا ہے۔

قارئین کے لیے جس چیز کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انصاف اور حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو فقہ حنفی میں تقلیدِ شخصی کا وجود ہی سرے سے ختم کر دیا گیا ہے۔یعنی اس قدر اختلاف کی موجودگی میں ''ایک ہی عالم کی طرف رجوع کرنا'' قطعاً ناممکن بنادیا گیا ہے۔اور یہ کارنامہ خود احناف کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔

اختلاف نمبر۲۴۲

قضاء الفوائت

جہری نماز تنہاء قضاء کرنے کے بارے میں صاحبِ عین الہدایہ ہدایہ وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اور اگر تنہاء قضاء کرے تو اختلاف ہے چنانچہ ہندیہ میں ہے کہ اگر جہری نماز قضاء کو تنہاء پڑھے تو اصح یہ ہے کہ جہر افضل ہے۔المحیط والکافی والذخیرہ وقاضی خان۔اور یہی مختار شمس الائمہ وفخر الاسلام وجماعت متاخرین ہے......امام مصنفؒ (صاحبِ ہدایہ) نے اس قول کو نہیں تسلیم کیا اور فرمایا وان کا ن وحدہ خافت حتما ولا یتخیر ھو الصحیح۔ (یعنی اگر قضاء مذکور تنہاء پڑھے تو حتماً یعنی وجوباً اخفاء کرے۔اور اسکو اختیار نہیں ہے۔یہی قول صحیح ہے۔)۔ف وقایہ میں تاج الشریعہ نے اسی کو متن کہا ہے

اور تنویر میں انہی کی اتباع کی۔" (ہدایہ مع عین الہدایہ ج اص ۴۱۴)

اختلاف نمبر ۲۴۳

فجر کی سنتیں

((فانه يجوز ادائها اذا علم انه يدرك فى التشهّد عندهما وعند محمدؒ اذا علم انه يدرك الركعة الثانية كذا قيل بناء على الاختلاف فى الجمعة))

(كبيرى ص ۳۸۰)(عمدة الرعايه ص ۲۱۲)

"یعنی اگر نمازِ فجر باجماعت پڑھی جارہی ہو تو فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہیں اگر اسے یہ علم ہو کہ وہ تشہد میں جماعت کے ساتھ شامل ہوسکتا ہے۔ یہ مذہب شیخین کا ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ اگر اسے دوسری رکعت میں شامل ہونے کا یقین ہو تو فجر کی سنتیں پڑھنا جائز ہیں (ورنہ نہیں)۔"

سنۃ الفجر میں مخالفتِ رسولؐ

امام حلبی حنفی منیۃ المصلی کی شرح میں لکھتے ہیں:

((وكان المصنف قيد بسنة الفجر لأن غيرها من السنن لا تؤدىٰ بعد الشروع فى الفريضة اصلاً علىٰ ما قيل لقوله عليه الصلوٰة والسلام اذا أُقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة وانما خالفناه فى سنة الفجر)) (كبيرى ص ۳۷۹)

"مصنف نے سنتِ فجر کی قید لگائی ہے کیونکہ انکے علاوہ دوسری سنتیں فرض شروع ہوجانے کے بعد اصلاً نہیں پڑھی جاسکتیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی کردی جائے تو اس وقت سوائے فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اور ہم نے صرف فجر کی سنتوں میں اسکی مخالفت کی ہے۔"

اب ہر متبعِ رسولؐ کو یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ کیا مجبوری تھی آپ کو فرمان

رسولؐ کی مخالفت کرنے کی؟۔جسطرح باقی سنتوں میں آپ نے اس حدیث پر عمل کرلیا تھا، فجر کی سنتوں میں بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان تسلیم کر لیتے۔

حنفی مقلدین ہر وقت یہی واویلہ کرتے رہتے ہیں کہ انکی فقہ شریعت کا عطر اور نچوڑ ہے۔نیز یہ بھی کہ انکا ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے۔مگر انکے امام حلبی کا بیان تو کسی اور حقیقت کی نقاب کشائی کر رہا ہے۔سمجھنے والوں کے لیے اس میں صرف نصیحت کا ہی نہیں عبرت کا سامان بھی موجود ہے۔''خود سوچیے'' ع:

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اختلاف نمبر ۲۴۴

فجر کی سنتوں کی قضاء

((قال واذا فاتته رکعتا الفجر لایقضیهما قبل طلوع الشمس......ولا بعد ارتفاعها عند ابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد احب الیّ ان یقضیهما الیٰ وقت الزوال))

(هدایه باب ادراك الفریضةوکبیری ص۳۸۰)

''اور کہا (امام محمد نے جامع صغیر میں) کہ جب نمازی کی فجر کی دو سنتیں فوت ہوجائیں تو ان کو طلوع آفتاب سے پہلے قضاء نہیں کرے گا۔(یعنی طلوع آفتاب کے بعد قضاء کرے)۔اور ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک طلوع آفتاب کے بعد بھی قضاء نہ کرے۔اور امام محمد نے کہا کہ مجھے محبوب ہے کہ فجر کی سنتوں کو وقتِ زوال تک قضاء کرلے۔''

اختلاف نمبر ۲۴۵

سنت مع فرض کی قضاء

((وانما تقضی تبعاً له وهو یصلی بالجماعة او وحده الیٰ

وقت الزوال وفیما بعدہ اختلاف المشائخ))

(ھدایہ ایضاً)و(شرح وقایہ ص ۲۱۲)

''اور دوگانہ مذکور (یعنی فجر کی سنتیں) زوال ہی کے وقت تک فرض کے تابع حالت میں قضاء کیا جائیگا۔خواہ فرض جماعت سے پڑھے یا تنہاء پڑھے۔اور مابعد زوال کے تبعاً قضاء کرنے میں مشائخ کا اختاف ہے۔''

مقصودِ کلام یہ ہے کہ اگرکسی کی فجر کی سنتیں فرائض سمیت قضاء ہوگئیں تو اگر وہ زوال سے قبل پڑھے تو سنت اور فرض دونوں کی قضاء کرے۔اور اگر زوال کے بعد قضاء کرے تو بعض مشائخ کے نزدیک اسی طرح دونوں کی قضاء کرے اور بعض مشائخ کے نزدیک فقط فرضوں کی قضاء پڑھے۔

اختلاف نمبر ۲۴۶

فجر کے علاوہ باقی سنتوں کی قضاء

((واما سائر السنن سواھا لا تقضی بعدالوقت وحدھا واختلف المشائخ فی قضاءھا تبعاً للفرض))

(ایضاً)و کبیری ص۳۸۱ وشرح وقایہ ص ۲۱۴)

''رہیں باقی سنتیں سوائے دوگانہ فجر کے' تو وہ بعد وقت کے تنہاء قضاء نہیں کی جائیں گی۔اور فرض کے تابع ہوکران کے قضاء کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔''

عراقیوں کے نزدیک جب مع فرض قضاء ہوں تو جیسے سنت اذان واقامت قضاء کی جائے گی ویسے سنت نماز بھی تابع فرض قضاء کی جاوے اور خراسانیوں کے نزدیک نہیں۔''(عین الہدایہ ج ۱ص ۵۷۱)

عراقی بھی مشائخ احناف اور خراسانی بھی مشائخ احناف ہی ہیں۔اب فیصلہ آپ کے سپرد ہے۔

اختلاف نمبر ۲۴۷

دورانِ نماز کوئی فائتہ نماز یاد ہو

((ومن صلی العصر وهو ذاكرا نه لم يصل الظهر فهی فاسدة الا اذاكان فی آخر الوقت ......واذا فسدت الفرضية لا يبطل اصل الصلوٰة عند ابی حنيفة وابی يوسف وعند محمد تبطل)) (هدايه باب قضاء الفوائت)شرح وقايه ۲۲۰)

"اور جس نے عصر پڑھی اس حالت میں کہ اس کو یاد ہے کہ اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی۔ تو نماز عصر فاسد ہے۔ مگر جب کہ یاد آنا عصر کے آخر وقت میں ہو۔"

اور جب فرضیت فاسد ہوگئی تو ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک اصل نماز باطل نہ ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اصل نماز رائیگاں اور باطل ہوجائیگی۔

یعنی شیخین کے نزدیک اصل نماز موجود ہے اور امام محمد کے نزدیک اصل نماز باطل ہے۔ پھر آیا فاسد ہونے کا حکم شیخین کے نزدیک قطعی کردیا گیا ہے یا ابھی توقف ہے۔ یہ دوسرا اختلاف ہے جو پیشِ خدمت ہے۔ اس اختلاف میں امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کو چھوڑ کر امام محمد کے ساتھ مل گئے ہیں۔

اختلاف نمبر ۲۴۸

فاسد ہونے کا حکم

((ثم العصر يفسد فساداً موقوفاً حتیٰ لو صلیٰ ستّ صلوات ولم يعد الظهرا نقلب الكل جائزاً وهذا عند ابی حنيفة وعند هما يفسد فساداً باتاً لا جواز لها بحال))

(ایضاً)وکبیری ص ۴۹۳)

''پھر نمازِ عصر کا فاسد ہونا قطعی نہیں ہے بلکہ اس بات پر موقوف ہے کہ اگر اس شخص نے چھ نمازیں پڑھ لیں اور نمازِ ظہر نہیں لوٹائی تو تمام نمازیں پلٹ کر جائز ہو جائیں گی۔ اور یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ نمازِ عصر قطعی طور پر فاسد ہو جائیگی کسی حال میں بھی وہ جائز نہیں ہو سکتی۔''

○ پھر قطعی طور پر فاسد ہو جانے کے حکم کے بعد صاحبین میں بھی اختلاف ہو گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ امام محمد کے نزدیک وہ بالکل ضائع ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ نوافل میں تبدیل ہو جائیگی۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۵۸۰)

پہیلی کی بوجھ

صاحبِ عین الہدایہ ایک پہیلی کا تعارف کرواتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کتاب الصلوٰۃ مبسوط میں ہے اس کی صورت یہ کہ ایک نماز چھوٹی پھر اس کے بعد کی پانچ وقت تک پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھیں۔ تو صاحبین کے نزدیک پانچوں فاسد ہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ابھی متوقف ہیں۔ ع۔ پھر اس کے بعد اگر ایک وقتیہ پڑھی تو سب صحیح ہو گئیں۔ اور اگر متروکہ قضاء پڑھی تو سب قطعی فاسد ہو کر نفل ہو گئیں۔ م۔ شمس الائمہ نے فرمایا کہ یہی علماء کی پہیلی کی بُوجھ ہے کہ ایک نماز ہے جو پانچ کو فاسد کرتی ہے اور ایک نماز ہے کہ پانچ کو صحیح کرتی ہے۔ مع۔'' (عین الہدایہ ج ۱ ص ۵۸۰)

دینی مسائل کو پہیلیاں بنا دینا واقعی اہل الرائے کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ مگر شمس الائمہ نے اس پہیلی کو علماء کے لیے خواہ مخواہ مصیبت کیوں بنا دیا ہے۔ یہ تو ایسی پہیلی ہے جو خود امام ابو حنیفہ کے فیض یافتہ شاگرد بھی نہیں سمجھ سکے تھے۔ جس پہیلی کے پیچ صاحبین نہیں کھول سکے وہ بے چارے عام علماء کی سمجھ میں کہاں آ سکتی ہے۔

یہاں ایک سوال پوری شدت کے ساتھ اٹھتا ہے کہ کیا یہ پہیلی امام ابو حنیفہؒ نے اس اتحادی مجلس میں پیش نہیں کی تھی جس میں صاحبین سمیت سینکڑوں فقہاء کی شرکت کا

دعویٰ کیا جاتا ہے؟۔نیز فقہی مسائل کی تدوین کے وقت اس پہیلی کو کیوں نہ متفقہ طور پر حل کرلیا گیا؟۔

اختلاف نمبر۲۴۹

دو فوت شدہ نمازوں کی قضاء

((ولو ترك ظهراً وعصراً من يومين لايدرى الأولىٰ منهما فعند ابى حنيفة يقضى واحدة ثم الأُخرىٰ ثم يعيد التى قدمها......وعند هما لا يلزمه اعادة التى قدمها لسقوط الترتيب بالنسيان ......قال قاضى خان والفتوىٰ على قولهما......فى الواقعات وبقول ابى حنيفة نأخذ))

(کبیری ص۴۹۶)

''اگر دودنوں میں ظہر اور عصر کی نمازیں ترک کردیں اور اسے یہ یاد نہیں ہے کہ ان میں سے پہلی ترک شدہ نماز کونسی ہے۔تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک کی قضاء پڑھے پھر دوسری کی اور اسکے بعد جس کی پہلے قضاء پڑھی تھی اسے پھر دوبارہ پڑھے۔اور صاحبین کے نزدیک اسے پہلی پڑھی ہوئی کو دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے۔کیونکہ نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی۔امام قاضیخاں نے کہا کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔اور''واقعات'' میں ہے کہ: ہم ابوحنیفہ کا قول قبول کرتے ہیں۔''

یعنی مسئلہ بھی اختلافی ہے اور فتویٰ بھی۔

اختلاف نمبر۲۵۰

وتر فوت ہونے کے بعد نمازِ فجر پڑھنا

((ولو صلى الفجر وهو ذاكر انه لم يوتر فهى فاسدة عند ابى

حنیفۃؒ خلافاً لھما))

(ھدایہ باب قضاء الفوائت و شرح وقایہ ص۲۱۶)

''اگر اس نے فجر کی نماز پڑھی اس حالت میں کہ اسے یہ یاد ہو کہ اس نے وتر نہیں پڑھے تو اسکی یہ فجر کی نماز فاسد ہے۔ صاحبین کے خلاف۔''

اختلاف نمبر ۲۵۱

وتر کی قضاء

((اذا صلی العشاء ثم توضأ وصلی السنة والوتر ثم تبین انه صلی العشاء بغیر طھارة یعید العشاء والسنة دون الوتر ......وعند ھما یعید الوتر ایضاً لکونه تبعاً للعشاء)) (ایضاً)

''اگر کسی نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس نے وضوء کیا اور سنت اور وتر پڑھے۔ پھر اس پر واضح ہوا کہ اس نے عشاء کی نماز وضوء کے بغیر پڑھی ہے تو (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک) وہ عشاء کے فرض اور سنتیں دوبارہ پڑھے۔ وتر دوبارہ نہ پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ وتر بھی دوبارہ پڑھے کیونکہ وتر عشاء کے تابع ہیں۔''

اگر امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق وتر دوبارہ نہ پڑھے تو صاحبین کی مخالفت لازم آئے گی اور ساتھ ہی یہ خلش بھی ذہن میں باقی رہے گی کہ ممکن ہے صاحبین کا مذہب صحیح ہو۔ اور اگر صاحبین کے مذہب پر دوبارہ پڑھے تو امام ابوحنیفہؒ کی ''تقلید شخصی'' پر زد پڑتی ہے۔ کیونکہ حضرت تھانوی صاحب کے بقول تقلید شخصی کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع بعونہٖ تعالیٰ پہلا جزء تمام ہوا

حنیفۃؒ خلافاً لهما))

(هدایه باب قضاء الفوائت و شرح وقایه ص۲۱۶)

''اگراس نے فجر کی نماز پڑھی اس حالت میں کہ اسے یہ یاد ہو کہ اس نے وتر نہیں پڑھے تو اسکی یہ فجر کی نماز فاسد ہے۔صاحبین کے خلاف۔''

اختلاف نمبر۲۵۱

وتر کی قضاء

((اذا صلى العشاء ثم توضأ وصلى السنة والوتر ثم تبين انه صلى العشاء بغير طهارة يعيد العشاء والسنة دون الوتر ......وعند هما يعيد الوتر ايضاً لكونه تبعاً للعشاء)) (ایضاً)

''اگر کسی نے عشاء کی نماز پڑھی پھر اس نے وضوء کیااور سنت اور وتر پڑھے۔پھراس پر واضح ہوا کہ اس نے عشاء کی نماز وضوء کے بغیر پڑھی ہے تو (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک)وہ عشاء کے فرض اور سنتیں دوبارہ پڑھے۔وتر دوبارہ نہ پڑھے۔اور صاحبین کے نزدیک وہ وتر بھی دوبارہ پڑھے کیونکہ وتر عشاء کے تابع ہیں۔''

اگر امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق وتر دوبارہ نہ پڑھے تو صاحبین کی مخالفت لازم آئے گی اور ساتھ ہی یہ خلش بھی ذہن میں باقی رہے گی کہ ممکن ہے صاحبین کا مذہب صحیح ہو۔اور اگر صاحبین کے مذہب پر دوبارہ پڑھے تو امام ابوحنیفہؒ کی ''تقلید شخصی'' پر زد پڑتی ہے۔کیونکہ حضرت تھانوی صاحب کے بقول تقلید شخصی کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں ایک ہی عالم کی طرف رجوع بعونہ تعالیٰ پہلا جزء تمام ہوا

علماء کرام کو شاہ ولی اللہؒ کی نصیحت

میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ نادانو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف نحو و معانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے۔ حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے یا پھر وہ سنت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو ...... تم پچھلے فقہاء کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب گئے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ علم صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہو۔ تم میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ جب اسے نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ یہ پیش کرتا ہے کہ صاحب، حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین اور ماہرین کا کام ہے اور یہ حدیث آئمہ سلف سے چھپی تو نہ رہی ہوگی، پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا ...... جان رکھو یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی ﷺ پر ایمان لائے ہو تو اس کی اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف۔

(ماخوذ تفہیمات الٰہیہ، از شاہ ولی اللہؒ)

ناشر

مکتبہ ثنائیہ / النور اکیڈمی

بلاک نمبر 19 سرگودھا موبائل: 0300-6040271